ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

حقیقی آزادی

"کسی ملک کی حقیقی آزادی کا اولین مرحلہ ذہنی و فکری آزادی ہے اور ذہنی و فکری آزادی کا آفتاب ہمیشہ تعلیم گاہوں کے مطلع سے طلوع ہوتا ہے۔ جب تک کوئی قوم اغیار کے بنائے ہوئے نظامِ تعلیم سے نجات پا کر اپنے معتقدات اور اپنی ضروریات کے مطابق ایک نیا نظامِ تعلیم استوار نہیں کر لیتی وہ سیاسی آزادی پا لینے کے باوجود حقیقی آزادی سے بہرہ مند نہیں ہوتی۔ حقیقی آزادی یہ ہے کہ ایک قوم اپنی فکر، اپنے دین، اپنی ثقافت اور نظامِ قانون و معیشت اور اپنی زبان کو اپنے دائرہ اثر میں عروج پر لے آئے۔ اور آزادی کے اس مثبت تصور کے مطابق تشکیلِ نو پاسکے"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد: ۷ — ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ / اکتوبر ۱۹۹۶ء — شمارہ: ۱۰

بدل اشتراک

سالانہ زر تعاون: ۵۰ روپے
طلبہ کیلئے: ۴۰ روپے
خصوصی زر تعاون: ۱۰۰ روپے
اعزازی زر تعاون: ۱۰۰۰ روپے
غیر ممالک سے زر تعاون: ۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ: ۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد البر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ

کتابت محمد اشفاق عامر فلاحی جامعۃ الفلاح

فون: ۴۰۱۴۰

نقوشِ حیاتِ نو

صفحہ

اداریہ

ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳

بحث ونظر

اہل علم کی ذمہ داری	جاوید احمد غامدی	۷
ایک اہم مکتوب بسلسلۂ حجاب	علامہ حمید الدین فراہیؒ	۱۱
شاہ ولی اللہؒ کی قرآنی خدمات اور انکے اثرات	ضیاء الدین ملک فلاحی	۱۲
طٰہٰ حسین کی خود نوشت سوانح عمری "الایام" ایک تعارف	صفدر سلطان اصلاحی	۲۶

تعلیم وتعلم

توجہ مطلوب ہے	عبد البر اثری فلاحی	۳۶

شعر ونغمہ

غزلیں	اودیس ضیاء ایم اے تمیمی دوگروی	۳۷

تعارف وتبصرہ

اردو میں ادب اطفال ایک جائزہ	ابو احمد فلاحی	۳۸

اخبار علمیہ

قرآن پاک کے چھ کروڑ نسخے، کمپیوٹر بطور مترجم، عالمی اسلامی نمائش، اسلامی نوادرات کا سب سے بڑا خزانہ	ابن العظم فلاحی	۴۰، ۴۱

جامعہ کے لیل ونہار

اجلاس عام کی تیاریاں۔ ایک حادثہ	محمد اسماعیل فلاحی	۴۶

روداد انجمن

سمینار بعنوان "ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس"	عبید اللہ فہد فلاحی	۴۲
پروگرام پانچواں اجلاس عام	رحمت اللہ اثری فلاحی	۴۳
ہدایات برائے شرکاء اجلاس		۴۸

ادار یہ

محمد اسماعیل فلاحی

ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس

ارشادِ نبویؐ ہے خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ۔ ؎ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔ مسلمان ہمیشہ اس بات سے اچھی طرح واقف رہے ہیں کہ انکی دنیوی واخروی ساری سعادتیں اور کامرانیاں قرآن ہی سے وابستہ رہتے ہیں ہیں اور انکی شقاوتوں اور محرومیوں کا سرا قرآن سے غفلت اور بے توجہی سے جا ملتا ہے، اسی لئے انہوں نے قرآنی علوم کی جانب سب سے زیادہ توجہ دی۔ عہد نبوی، خلافت راشدہ، عہد اموی، عہد عباسی اور بعد کے ادوار میں تا حال ہمیں قرآن وحدیث سے انکا غیر معمولی شغف نظر آتا ہے، مختلف ادوار میں اسمیں کمی بیشی ہوتی رہی ہے اور اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ کا انکے ساتھ معاملہ بھی ہوتا رہا ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے قبل ہی انکے دینی مدارس کا ایک جال بچھ چکا تھا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد ان میں غیر معمولی تیزی آئی اور گاؤں گاؤں مکاتب ومدارس کھلنے لگے۔ اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنی رہائی کے بعد ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تباہی کے صرف دو اسباب ہیں، ایک قرآن مجید چھوڑ دینا دوسرے باہمی اختلافات، اسی لئے ان کا عزم تھا کہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں اور انہوں نے اپنی بقیہ زندگی اسی کام میں لگا دی۔

اسپین اور ہندوستان کے حالات کا تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ملی حیثیت سے وجود دراصل انہی گاؤں گاؤں بکھرے مدارس کا مرہون منت ہے۔ یہ مدارس مسلمانوں کیلئے دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے قلعہ ثابت ہوئے

؎ بخاری کتاب فضائل القرآن

اور یہاں سے ایک سے بڑھکر ایک مجاہد علماء پیدا ہوئے جو اس ملت کی ڈگمگاتی کشتی کو نہایت ہوشیاری اور زیرکی اور انتہائی جرأت و حوصلہ مندی کے ساتھ، باد مخالف سے لڑتے ہوئے کھیتے رہے لیکن کیا اب بھی مدارس کا وہی کردار باقی ہے اور کیا ان کارخانوں سے اب بھی اسی طرح کے پرزے ڈھلتے ہیں؟ کیا وہی بلند پروازی اور عقابی شان اب بھی نظر آتی ہے؟ کیا انسانیت کے مسیحا اور ملت کے ہمدرد و بہی خواہ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں؟ جواب اگر نفی میں نہیں ہے تو کیا اس سے بھی کسی کو انکار ہے کہ ان کے معیار میں بڑی حد تک گراوٹ آگئی ہے۔ ملت کے حساس اور دردمند بزرگ اس صورت حال سے بڑے پریشان اور فکرمند ہیں۔ آج یہ مدارس متحارب دھڑوں کی شکل میں کیا ایک دوسرے کو دعوت مبارزت نہیں دے رہے؟ فقہی اور مسلکی بنیادوں پر کیا انکی حد بندیاں قائم نہیں ہیں، نوبت بایں جا رسید کہ ایک ہی مسلک کے مختلف گروپ ایک دوسرے کی پگڑی اچھالتے ملتے ہیں۔ یہ ہے ان مدارس کا حال جو کبھی دین و ملت کے زبردست قلعے اور مضبوط مورچے تھے، یہ باہم الجھے اور لڑتے رہے زمانہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ انکی بربادیوں کے مشورے ہوتے رہے اور یہ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے رہے۔ یہ دوسروں کی کہانی نہیں، اپنی ہی داستانِ غم اور اپنی ہی حکایت درد ہے اور اپنوں ہی کے سامنے ہے، البتہ ذوقِ نغمہ کی کمی اور درد کی شدت تلخ نوائی پر مجبور کرتی ہے۔

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کو ـــ دوسرے باشعور، سنجیدہ اور ملت کا درد رکھنے والے نوجوانوں اور بزرگوں کی طرح ـ درد کی شدت اور زخم کی ٹیس کا احساس رہا ہے۔ اس نے ملت کے نوجوانوں اور بزرگوں دونوں کو پکارا اور حالات کی نزاکت اور سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ تقریباً پانچ سال قبل انجمن نے دینی مدارس کے مسائل اور انکے حل پر غور و خوض کیلئے علماء اور دانشوروں کو اکٹھا کیا تھا۔ جسے قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ اس عنوان پر مفکرین کے غور و خوض کا مجموعہ کتابی شکل میں اسی نام سے شائع کر دیا گیا ہے، جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

انجمن نے پھر اپنے پانچویں اجلاس عام ـ ۲۸ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے موقع پر ایک

سیمینار بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" رکھنا طے کیا ہے۔ یہ سیمینار جامعہ کی چہار دیواری میں ۲۹ اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہوگا۔ انجمن نے ایک بار پھر مختلف مکاتب فکر کے علماء اور دانشوروں کو ایک اسٹیج پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا ایک جگہ اکٹھا ہونا خود ایک فالِ نیک ہے۔ اس سیمینار کی ایک خوش آئند بات یہ بھی ہے کہ دینی علوم کے اساتذہ اور عصری علوم کے ماہرین دونوں کو ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کا موقع مل رہا ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ یہ سب ایک ساتھ بیٹھیں گے، ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے سے قریب ہونے کی کوشش کریں گے اور اس طرح سے استفادہ اور افادہ سے کچھ نئی راہیں کھلنے میں مدد ملے گی۔ مختلف مدارس اور یونیورسٹیوں سے آئے ہوئے اساتذہ اس بات پر غور کریں گے کہ آج فریضہ دعوت اسلامی اور غلبہ اسلام کی جد و جہد میں یہ مدارس دوبارہ کیونکر بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں، نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا کیا نظم ہو، مدارسِ نسواں کیسے چلیں، دینی و عصری اداروں میں باہمی ارتباط کی کیا شکلیں ہوں، کیا مدارس میں سائنسی، صنعتی اور تکنیکی تعلیم ممکن ہے، ملک کی فرقہ وارانہ صورتحال اور ملی و معاشی امور میں یہ مدارس اپنا کردار کیسے ادا کر سکتے ہیں، مدارس کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ کیسے بنایا جائے، اتحاد امت کی کیا راہیں ہوں اور اختلافات کیسے اپنے حدود میں رہیں، مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم اور طرز تدریس کیسے دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، یہ ہیں وہ امور جو زیر بحث آئیں گے اجلاس دینی مدارس کے وفاق اور فارغین مدارس کی تنظیم کی ممکنہ راہیں بھی تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔

ہندوستان میں، خصوصاً یوپی میں تعلیمی نظام پر ڈاکہ ڈالنے اور تاریخ کو مسخ کرنے کی جو منظم اور پیہم کوشش جاری ہے، ملی تشخص کو جس طرح نشانہ بنایا جا رہا ہے، یہ سب سنجیدہ غور و فکر کا طالب ہے۔ ضرورت ہے کہ اس طرح کے اجلاس ایک بار نہیں، بار بار ہوتے رہیں، نئی راہیں ڈھونڈی جائیں اور سنجیدہ فیصلے کئے جائیں۔

---

۲۷ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء جاری رہنے والا یہ اجلاس اور بھی متعدد حیثیتوں کا

حاصل ہے، جہاں انجمن کی تنظیمی نشستیں ہونگی، فارغین جامعہ کا جائزہ لیا جائے گا، وہیں طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ، ادبی نشست، اور خطاب عام کے پروگرام بھی جاذبِ نظر و توجہ ہونگے۔ فارغین جامعہ اور ہمدردانِ جامعہ کے خطوط اور ملت کے علماء و دانشوروں کے مراسلے لوگوں کے شوق اور انتظار کا پتہ دیتے ہیں۔

بقیہ :- سمینار

(۱۴) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — سبیل السلام حیدرآباد

(۱۵) 〃 نظام الدین اصلاحی — صدر مدرس جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ

(۱۶) 〃 سید جلال الدین انصر عمری — سکریٹری ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

(۱۷) 〃 محمد عنایت اللہ سبحانی — جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ۔ یوپی۔

ان کے علاوہ کچھ علماء کرام اور دانشوران عظام ایسے بھی ہیں جن کی شرکت کی باضابطہ منظوری ابھی نہیں آسکی ہے مگر ان سے مراسلت برابر جاری ہے اور ہمیں امید ہے کہ انکا تعاون بھی ہمیں حاصل ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا علماء کرام اور اکابرین کے علاوہ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن صاحب نے بھی اپنی شرکت کی منظوری ہمیں عنایت کر دی ہے نیز مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی کے ذریعہ سمینار کے افتتاح کی توقع بڑھتی جارہی ہے، کیونکہ مولانا کی خدمت میں ایک وفد حاضر ہوا تھا جس پر مولانا نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے عنقریب جواب عنایت کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

:- تجاویز و مشورے :-

پانچویں اجلاس عام کے تنظیمی سیشن میں وہی تجویزیں اور مشورے زیر غور آئیں گے جو ۱۰ر اکتوبر ۱۹۹۲ء تک لازماً تحریری شکل میں سکریٹری انجمن کو موصول ہو جائیں۔ دستوری ترمیمات کے سلسلہ میں بھی اسطرح آپ تجویز بھیجیں کہ ۱۰ر اکتوبر ۹۲ء کے پہلے وہ موصول ہو جائیں۔ /سکریٹری

اہل علم کی ذمہ داری

جاوید احمد قادری

انسان ایک مجموعۂ خیر و شر ہے۔ اس سے خیر بھی وجود میں آتا ہے اور شر بھی انسان کے اعمال و افعال کا خیر بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس پر اس کا شکر واجب ہے۔ البتہ انسان سے جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جن کا سبب اس کے نفس میں پوشیدہ داعیات شر ہیں۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شیطان انسان کے اندر اس کے خون کی طرح گردش کرتا ہے" جانب نفس کی یہ غلطیاں کبھی انسانی خواہشات اور وسوسوں کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں اور کبھی ماحول کا دباؤ انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ ماحول کے اثرات و ترغیبات، بالعموم نفس انسانی کے داعیات شر کو پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ ان اسباب کی وجہ سے وہ اپنی تخلیق کے آغاز ہی سے غلطیاں کرتا چلا آرہا ہے۔ یہ غلطیاں زندگی کے ہر شعبے میں رونما ہوتی رہتی ہیں اور قیامت تک رونما ہوتی رہیں گی ان سے مفر ممکن نہیں۔

غلطیوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان سے حق کی حمیت و محبت اور نیکی کے جوش و جذبے کے تحت سرزد ہوتی ہے۔ ان غلطیوں کی نوعیت پہلی قسم کی غلطیوں سے مختلف ہے۔ ان میں غلطی کرنے والے کے نفس کی اکساہٹ یا نیت کے کسی فتور کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ حق کی محبت اور حق کو سربلند کرنے کا جذبہ انسان پر ایسا غلبہ پالیتا ہے کہ وہ اپنی حدود سے آگے نکل جاتا ہے۔ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں سے بھی بعض اوقات ایسے کام ہو جاتے ہیں جنہیں جانب حق کی غلطات اور لغزشوں ہی میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ انبیاء و رسل کی تاریخ میں اس کی ایک واضح مثال حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے جسے خود اللہ نے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔ اللہ کی طرف سے نبیوں اور رسولوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوم کے طرز عمل سے قطع نظر اس وقت تک اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہیں، جب تک اللہ کی طرف سے انہیں اپنی قوم

کو چھوڑ دینے کا حکم اور اجازت نہ آجائے۔ قوم کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر حق کی حمیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر قوم سے الگ ہونے کا رویہ انکے شایانِ شان نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرح کے طرزِ عمل سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے حضرت یونس کی مثال دی ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ (القلم ۶۸: ۴۸) "تو اپنے رب کے فیصلے تک صبر کرو اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ بن جاؤ جب اس نے اپنے رب کو پکارا، اور وہ غم سے گھٹا ہوا تھا۔"

اہلِ علم اور اہلِ دعوت سے دین کی شرح و وضاحت کرتے ہوئے اور دین کو سربلند کرنے کی کوشش میں جب کوئی ایسا کام سرزد ہو جاتا ہے جو خود دین کی اپنی حدود سے متجاوز ہو تو اسکے مضر نتائج نہ صرف اس زمانے میں نکلتے ہیں، بلکہ آنے والے زمانوں میں بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی تاریخ ایسے حادثوں سے بھری ہوئی ہے جو اس قسم کی غلطیوں کے نتیجے میں رونما ہوئے۔ اس وقت اس طرح کے واقعات کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں، محض یہ وضاحت مطلوب ہے کہ گزشتہ زمانے یا موجودہ دور کے کسی اہلِ علم یا داعیِ دین کی کسی تعبیرِ دین یا حکمتِ عملی پر تنقید اس لئے نہیں کیجاتی کہ اس کے میلانات و رجحانات کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے، بلکہ اس کا مقصد عام مسلمانوں کو اس کے مضر اثرات سے آگاہ کرنا اور بچانا مقصود ہوتا ہے۔ امتِ مسلمہ کی چودہ صدیوں کی تاریخ میں اہلِ علم اس فریضے سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ہر اس شخص کا جسے اللہ نے اپنے دین کے علم کی نعمت سے نوازا ہے، یہ فرض ہے کہ وہ جب بھی ایسی کسی غلطی کو سر اٹھاتا دیکھے، جو امت کی اجتماعی زندگی کو متاثر کر سکتی ہو تو اسے مقدور بھر اس کا راستہ روکنے کی سعی کرنی چاہئے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ غلطی کبھی بانجھ نہیں ہوتی، ایک غلطی کے بطن سے دوسری غلطی جنم لیتی رہتی ہے۔ دین کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر علم و عمل کے میدان میں جو غلطیاں کیجاتی ہیں، ان کی بنیاد ہمیشہ بڑی معصومانہ ہوتی ہے، لیکن وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ان کے نتائج برآمد ہونا شروع ہوتے ہیں تو پھر احساس ہوتا ہے کہ کاش اس کا دروازہ ابتدا ہی میں بند کر دیا گیا ہوتا۔ شیخ سعدی نے اپنے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب کبھی کوئی پشتہ ٹوٹتا ہے تو پہلے اس میں سوئی کے ناکے کے برابر سوراخ ہوتا ہے، اگر اسے بروقت درست نہ کیا جائے تو وہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر اس سے ایک ایسا سیلاب برآمد ہوتا ہے کہ اسکے ریلے شہروں، بستیوں کو ویران کر دیتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں جب نیکی کے جذبے اور حق کی سربلندی کے نام پر کیے جانیوالے کسی کام پر تنقید کی جاتی ہے تو بالعموم اسے خوش دلی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ عام طور پر اس تنقید کو اس کام کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جانے لگتا ہے۔ نقد و جرح کرنیوالے کو نصیحت کیجاتی ہے کہ کرنے والا بڑی نیک نیتی سے کام کر رہا ہے، دین کے غلبے کے لئے کر رہا ہے، دین کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے کر رہا ہے، اس پر تنقید کرنے سے دین کو نقصان پہنچے گا وغیرہ، حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ کام کرنے والے کی نیت اور جذبے کے درست ہونے کے باوجود اس کی غلطی کے اثرات اس دنیا میں مرتب ہو کر رہتے ہیں اور دین کو فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان پہنچ کر رہتا ہے۔

دین کی دعوت کا پیش کیا جانا جتنا ضروری ہے، اس کا صحیح خطوط پر پیش کیا جانا بھی اتنا ہی ضروری ہے، لہٰذا دین کے لئے کام کرنے والوں اور دین کی سربلندی کے لئے جذبہ اور تڑپ رکھنے والوں کو اپنے نظریات پر، اپنے طریقِ کار پر اور اپنی حکمتِ عملی پر تنقید سننے کے لئے، اور خوش دلی سے سننے کیلئے ہر وقت آمادہ رہنا چاہئے، اور اہلِ علم کو تنقید کا تلخ فریضہ سرانجام دینے سے کبھی گریز نہیں کرنا چاہئے۔

دین کی حقیقت کا علم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص کسی غلطی کو اپنے سامنے پھلتا پھولتا ہوا دیکھتا ہے اور کسی مصلحت کی وجہ سے خاموش رہتا ہے، تو وہ درحقیقت کتمانِ حق کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح حق کو چھپانے کا رویہ اختیار کرنے والوں کے انجام کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے لوگ قیامت

کے روز گونگے شیطانوں کی طرح اٹھیں گے اور ان کے منہ میں آگ کی لگامیں ڈالی جائیں گی۔

اللہ نے ہمارے تمام پیغمبروں کو اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ یعنی دین کو اپنی زندگی میں قائم رکھو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا دین علم اور عمل دونوں اعتبار سے اپنی صحیح صورت میں باقی اور قائم رہے۔ اس کی تعلیمات میں نادرست اور ضرورت سے زائد کوئی چیز شامل نہ کر لی جائے، کوئی بدعت اختیار نہ کر لی جائے، یا کوئی تحریف نہ کر دی جائے۔ اسی طرح عمل کے میدان میں بھی دین کی تعلیمات اور احکامات کے ساتھ صحیح وابستگی اور اطاعت کا درست جذبہ اور رویہ موجود رہنا چاہیے۔

ہمارے زمانے میں اس طرح کی تنقید اور اصلاح کو، خواہ وہ کتنی نیک نیتی اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کر کی جائے، عام طور پر اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے فریضے ہی کو ترک کر دیا جائے۔

آج میں "نظامِ خلافت"[1] کے عنوان سے پیش کیے جانے والے جن نظریات پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا، انھیں پیش کرنے والے بزرگوں اور احباب کا میں بہت احترام کرتا ہوں اور ان کی دینی خدمات کا مجھے پوری طرح اعتراف ہے۔ لیکن جس طرح وہ دین کو غالب اور سربلند کرنے کے جس جذبے کے تحت سب کچھ کر رہے ہیں، اسی طرح میں بھی حمیتِ دین اور غلبۂ دین کے جذبے ہی سے ان کی غلطی واضح کرنے کا کٹھن اور ناخوشگوار فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ میری گزارشات کو اسی پس منظر میں دیکھا جائے گا اور کسی کے دل میں کوئی تلخی اور ناراضگی پیدا نہیں ہوگی۔

---

[1] اس موضوع پر موصوف نے ۵ دسمبر ۱۹۹۶ء الحمرا لاہور میں تقریر کی تھی یہ اس تقریر کے تمہیدی کلمات ماخوذ ہے۔

علامہ حمید الدین فراہی

ایک اہم مکتوب بسلسلہ حجاب

مخدومی و مکرمی زاد لطفہ

تسلیم۔ آپ کے خط کی تعمیل کچھ کر رہا تھا کہ بیمار ہو گیا اور سخت بخار اور درد سر اور زکام میں مبتلا ہوا۔ دو ہفتے ہو گئے اور ہنوز طاقت نہ آئی۔ اور کبھی کبھی درد سر عود کرتا ہے۔ خیال تھا کہ عید اضحیٰ کی تعطیل میں آپ کا کام سرانجام ہو جائے گا مگر تعطیل تمام بیماری کی نذر ہو گئی اور اب بھی بیکار ہوں۔

حجاب کے مسئلہ میں تفاسیر اور فقہ میں پوری توضیح موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے۔ میری رائے میں نظمِ قرآن پر توجہ نہ کرنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن قدیم غلطیوں کا کیا علاج کیا جائے، کون سنتا ہے کہانی میری۔ اور پھر وہ بھی زبانی میری۔ فقہاء اور مفسرین کا گروہ ہم زبان ہے۔ مگر صحابہ اور تابعین زیادہ واقف تھے، انھوں نے ٹھیک سمجھا ہے۔ مگر متاخرین حضرات نے ان کا کلام بھی نہیں سمجھا۔ بہر حال الحق احق بان یتبع۔ میں اس مسئلہ پر مطمئن ہوں، اور میرے نزدیک اجنبی سے پورا پردہ کرنا واجب ہے۔ اور قرآن نے یہی حجاب واجب کیا ہے۔ جو شرفاء میں مروج ہے بلکہ   سے قدرے زائد۔

ذرا مجھے طاقت آئے تو مفصل مضمون آپ کی خدمت میں بھیجوں۔ والسلام

حمید الدین

بقیہ: ہدایات

ہنسی مذاق، ٹھٹھے بازی اور لغویات سے پرہیز کریں۔

۸۔ موسم کے لحاظ سے مناسب بستر، پانی کا برتن اور جائے نماز ساتھ رکھیں

۹۔ جامعہ پہنچ کر استقبالیہ کیمپ سے بیج وغیرہ حاصل کر لیں۔ پھر والنٹیئرز کی رہنمائی میں قیام گاہ میں داخل ہوں۔

۱۰۔ اجتماع سے غیر حاضری ناظم اجلاس کی اجازت کے بغیر نہ ہو۔

شاہ ولی اللہؒ کی قرآنی خدمات اور ان کے اثرات

سید ضیاء الدین ملک فلاحی شعبۂ اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

شاہ ولی اللہؒ سے تقریباً ۷۹ اناسی سال پیشتر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۵۶۴ء۔ ۱۶۲۴ء) نے ایک اصلاحی و انقلابی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ اسی مقدس روحانی سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔ آپ نے اس اصلاحی تحریک کو خونِ جگر سے سینچا اور اس قافلہ ربانی کو مزید توانا اور تازہ دم بنا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ مجدد الف ثانی ہندوستانی مسلمانوں کے تمدنی و معاشرتی عروج کے زمانے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے اندر غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو قلع قمع کرنے کی کوشش کی جب کہ شاہ ولی اللہ ہندوستانی مسلمانوں کے تہذیبی و ثقافتی اور ملی و قومی زوال کے دور میں پیدا ہوئے۔

اٹھارہویں صدی کے اس امام الائمہ اور تاج المجتہدین نے صرف ۶۱ اکسٹھ سال کی عمر قلیل پائی تاہم اس مختصر مدت میں آپ کی شخصیت جامع کمالات اور گوناگوں پہلوؤں کی حامل تھی۔ آپ اگر ایک طرف داعی و مبلغ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ملک کے تمام طبقات کو زندگی کا نصب العین یاد دلاتے ہیں ایک طرف سیاسی رہنمائی فرماتے ہیں تو دوسری طرف معاشیات و اقتصادیات کے مصلح بن کر ابھرتے ہیں، ایک طرف وہ سماجی اصلاحات پر زور دیتے ہیں تو دوسری طرف علوم و فنون کی تدوین جدید کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ شاہ صاحب کی ان کثیر الجہات خدمات کو بنیادی طور پر دو عناوین کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم ان خدمات کی ہے جس میں وہ سیاسیات، معاشیات اور سماجیات کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ وقت کے مختلف طبقات کو خطاب کرتے ہیں۔ لوگوں کی الجھنوں کو دور کرتے ہیں اور مفید مشورے دیتے ہیں۔ وقت کے سیاسی حکمرانوں سے خطاب کرتے ہیں مثلاً شاہ ابدالی کو خط لکھ کر ہندوستان آنے کی دعوت دی اور سکھوں اور مرہٹوں کی سورش

کو کچلنے کی ترکیب بتائی۔

دوسری قسم میں آپ کی ان خدمات کو شامل کیا جا سکتا ہے جن کی بدولت آپ عظیم المرتبت عالم دین، اور مفکر اسلام کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ کی تحریروں میں عالمانہ بصیرت پائی جاتی ہے۔ نقد و تبصرہ اور جرح و تعدیل کے اصول آپ نے مقرر فرمائے۔ انسانی زندگی کی جن ضروریات اور پریشانیوں پر قلم نہیں اٹھایا گیا تھا ان میں آپ نے ایک نئی شاہراہ فراہم کی۔ شاہ صاحب کی اس دوسری قسم پر بحث و تمحیص یہاں مقصود ہے۔

شاہ صاحب کے ان گوناگوں کارناموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اٹھارہویں صدی کے شدید بحرانی ہندوستان میں اس قدر ٹھوس علمی خدمات کیونکر انجام دے گئے۔ مزید تعجب اس بات پر کہ شاہ صاحب کی علمی کاوشوں پر حالات کی ناہمواری کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔

شاہ صاحب نے عبقری صلاحیت کا استعمال کرکے علوم کا ایک ایسا زبردست دیوان تیار کر دیا جس پر کہنگی کبھی طاری نہیں ہو سکتی۔ آپ نے برجستہ مختلف علوم پر تحریریں لکھیں۔ آپ کی تحریروں کی سیر کرتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے پاس علوم کا بحر ذخار موجود ہے اور بیک وقت وہ علوم قرآن، علوم حدیث، علم فقہ، علم فلسفہ و کلام، علم تصوف، علم تمدن، علم تاریخ، اقتصادیات، سیاسیات اور علم اسرار شریعت وغیرہ پر مکمل عبور رکھتا ہے۔ ان تمام علوم پر شاہ صاحب نے ممتاز تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن میں سے بیشتر میں وہ منفرد و بے مثال نظر آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان گراں قدر علمی خدمات کے ذریعہ امت مسلمہ پر بالخصوص اور تمام بنی نوع انسانی پر بالعموم جو احسان کیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ ولی اللہ نے متقدمین کی جملہ علمی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کیا اور جہاں ضرورت محسوس کی ان پر جرح و تنقید بھی کی۔ شاہ صاحب نے اپنی ذہانت اور محنت سے علم کے ہر شعبہ میں انقلابی قدم اٹھایا۔ اور اس طرح نہ صرف متقدمین پر سبقت لے گئے بلکہ متاخرین کیلئے بیش قیمت علمی سرمایہ چھوڑ گئے جو آنے والے

[illegible] کا امام پیدا ہے گا۔ مولانا شبلی کی تحقیق کے مطابق ابن تیمیہ اور ابن [illegible] کے بعد مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے [illegible] کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی [illegible] تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا دم واپسیں تھا شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔ ۲

شاہ صاحب کی فکری برتری کا ایک انتہائی اہم پہلو یہ ہے کہ آپ نے اسلام کے اخلاقی، فکری، شرعی اور تمدنی نظام کو مرتب صورت میں پیش کیا۔ یہی وہ اصل کام ہے جس کی بدولت آپ کا نام ہمیشہ یاد کیا جائے گا اور جس کی بدولت آپ کا نام صف اول کے مفکرین اسلام کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔ متقدمین میں بہت سے ایسے اسکالر گذرے ہیں جو اسلام کا جامع نظام حیات اپنے سامنے رکھنے کے باوجود اس قدر منطقی ترتیب اور جامعیت کے ساتھ اسلام کا تعارف نہ کرا سکے شاہ صاحب اسلام کا نظام حیات، اسرار شریعت، عبادات، احکام اور قوانین اسلام پیش کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کی حکمت و اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ کام اگرچہ شاہ صاحب سے پہلے امام غزالی نے کیا تھا لیکن شاہ صاحب ان پر سبقت لے گئے۔ شاہ صاحب کی علمی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں۔ "آپ کی تصنیفی خصوصیات کی وضاحت اور مصنف کی حیثیت سے اسلام کی علمی و دینی تاریخ میں آپ کے مقام کی تشریح آپ کی صحیح معرفت کے لیے ضروری اور نہایت اہم علمی موضوع ہے جس کے بغیر نہ صرف آپ کا تذکرہ بلکہ ہندوستان کی علمی تاریخ بلکہ اسلام کی علمی تاریخ بھی نامکمل رہے گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلام کے باکمال مصنفین کی خواہ کتنی ہی مختصر فہرست بنائی جائے آپ کے نام کے بغیر وہ نامکمل رہے گی اور ترتیب و مراتب کے لحاظ سے آپ کا نام اتنا پیچھے نہیں رہے گا جتنا کہ تاریخ کے لحاظ سے آپ کا زمانہ پیچھے ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے علمی مشن کا آغاز والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ کے انتقال کے فوراً بعد شروع کر دیا۔ سترہ سال کی عمر میں والد کے مسند درس کو آپ نے زینت بخشی اور نہ صرف مدرسہ رحیمیہ کا جاہ و جلال باقی رکھا بلکہ اس کے ذریعہ آپ نے اپنے مجتہدانہ ذوق اور عبقری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ برصغیر ہند و پاک میں مدرسہ رحیمیہ کے ذریعہ قرآن و حدیث کو وہ مقام ملا جس کے یہ مستحق تھے۔ ایک طرف آپ نے تصنیفی مواد کے ذریعہ قرآن و حدیث کے علوم کو جاری و ساری کیا اور دوسری طرف درس و تدریس کے ذریعہ ایسے شاگرد پیدا کئے جنہوں نے ان دونوں علوم کو پھیلانے میں موثر رول ادا کیا۔ شاہ صاحب سے پہلے علم کی عظمت کی بنیاد قرآن و حدیث سے ہٹ کر دوسری چیزوں پر رکھی ہوئی تھی، اچھا عالم دین وہ تسلیم کیا جاتا تھا جو مناظرہ و مباحثہ میں چرب زبان ہو اور چابک دستی دکھا سکتا ہو فلسفیانہ اور کلامی گفتگو کا استاد ہو اور فقہ و فتاویٰ میں حاذق و ماہر ہو۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ قرآن و حدیث پر غور و خوض کا رواج یا تو تھا نہیں اور اگر تھا بھی تو برائے نام، نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ علماء کا ایک طبقہ قرآن و حدیث کی تفسیر و تفہیم اور اس کی تبلیغ و اشاعت کو دوسری زبان میں نہ صرف سوئے ادب سمجھتا تھا بلکہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کو موجب سزا تصور کرتا تھا۔ اس پیغام کو عام کرنے کی فکر نہ علماء کو ہوئی اور نہ بادشاہوں نے اس کی سرپرستی فرمائی شاہ صاحب نے اس میدان کو اپنے لئے منتخب کیا اور ہر طرح کے خطرات مول لیکر زبان و قلم کے ہتھیار کے ساتھ میدان جہاد میں کود پڑے ابتدائی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے بعد آپ نے ایک بڑے حلقے کو مخالفین کے کیمپ سے نکال کر اپنا ہمنوا بنا لیا اور علماء کے ایک بڑے طبقے کو عالمی سطح پر شکست دیکر اپنے شاگردوں اور تصانیف کے ذریعے ایسی شہرت حاصل کی کہ آج بھی ملت اسلامیہ آپ کا نام لینا بغیر لفظ "محدث" کے اضافے کے پسند نہیں کرتی۔

شاہ صاحب کے انقلابی علمی اور عملی اقدامات کے اثرات بعد کی بہت سی

دینی و سیاسی خالص مذہبی اور تعلیمی و اصلاحی تحریکات میں پائے جاتے ہیں مثلاً سید احمد شہیدؒ کی خلافت تحریک میں جو سیاسی فکر اس تحریک کو غذا بہم پہنچا رہا تھا اس کا سرچشمہ شاہ صاحب کے سیاسی افکار کے سوتوں سے ملتا ہے اسی طرح دیوبند تحریک کی دینی و سیاسی خدمات دراصل شاہ ولی اللہ کے شاگردوں کی مرہون منت ہیں۔ تبلیغی جماعت اور علی گڑھ تحریک کے بانی بھی شاہ ولی اللہ کے ممتاز شاگردوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی بصیرت اور ظرف کے مطابق شاہ ولی اللہ کے کام کا بیڑا اٹھایا۔ اس میں شبہ نہیں کہ تبلیغی جماعت نے شاہ ولی اللہ کے فکر کے ایک بڑے حصے کو بالکل پس پشت ڈال دیا لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ اسلام کے تعبدی پہلو پر جس کا بہرحال ایک درجہ اور مرتبہ ہے تبلیغی جماعت نے پوری شدت کے ساتھ زور دیا۔ علی گڑھ تحریک کے ذریعے سرسید نے شاہ صاحب کے اس منصوبے پر تو عمل درآمد کیا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کو دور کیا جائے اور انہیں ان کی میراث واپس دلائی جائے اور دنیاوی خوشحالی انہیں نصیب ہو لیکن افسوس کہ دینی پہلو جدیدیت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ علی گڑھ تحریک سے وابستہ افراد کی ساخت ایسی بن گئی کہ دین کو اس کے تمام لوازمات کے ساتھ سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ایک مشکل امر بن گیا۔ تیسری طرف جماعت اسلامی ہے جس کے بانی مولانا مودودیؒ ہیں۔ جن کا فکری سانچہ شاہ ولی اللہ کے سانچے میں ڈھلا ہے اس تحریک نے درحقیقت شاہ صاحب کی اسکیم کے مطابق کام کیا اور ان کے معیار کے مطابق افراد تیار کرنے کی سعی و مہم کر رہی ہے جس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔

ہندوستان سے استعماریت کے مضبوط پنجوں کو اکھاڑنے اور غلامی سے نجات دلانے کیلئے جن بزرگوں نے جدوجہد کا بیڑا اٹھایا ان کی تربیت دراصل فکر ولی اللہی کے سانچے میں ہوئی تھی لہذا یہ بات مبنی برحقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں شاہ صاحب کی حیثیت (نقیب) کی ہے۔

قرآنی خدمات

شاہ صاحب کی علمی خدمات میں سب سے عظیم خدمت فہم قرآن تعلیم قرآن اور اشاعت علوم قرآن ہیں۔ شاہ صاحب اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ قرآن کریم وہ ہمہ گیر اور آفاقی دستور حیات ہے جس کے سمجھنے اور عمل کرنے پر سماجی بدعات کا خاتمہ ممکن ہے چنانچہ شاہ صاحب نے اپنی انقلابی کوششوں میں سب سے پہلا قدم پوری قدرت کے ساتھ قرآن کے

فروغ و اشاعت کیلئے اٹھایا۔ شاہ صاحب کے زمانے میں قرآن خوانی کا ذوق موجود تھا بعض فارسی کی تفسیریں بھی موجود تھیں۔ دینی درسگاہوں میں جلالین، کشاف، اور مدارک التنزیل کا درس بھی ہوتا تھا لیکن ان تمام کے باوجود پورے مسلم معاشرے پر اضمحلال و زوال کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ قرآن کی تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے شاہ صاحب نے وقت کی مروجہ زبان فارسی میں قرآن کریم کے ترجمہ و تشریح کی جانب توجہ دی۔ آپ کا بنیادی نقطہ نظر یہ تھا کہ قرآن صرف عربوں کی ہدایت کے واسطے نہیں نازل ہوا ہے بلکہ دنیا بھر کے انسانوں کیلئے شمع ہدایت ہے لہذا اس کی تفسیر و ترجمانی کا فریضہ ہر زبان میں ادا کیا جانا چاہیے تاکہ دیگر اقوام عجم بھی اس چشمہ صافی سے فیضیاب ہو سکیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر آپ نے قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا کیونکہ فارسی ہی وقت کی 'دفتری' تعلیمی اور عامی زبان تھی۔ آپ کا یہ کام تبلیغ دین کیلئے ایک مبارک قدم تھا لیکن علماء کے ایک بڑے طبقے نے اسے تحسین کی نظروں سے نہیں دیکھا بلکہ ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔ آپ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا حتیٰ کہ آپ پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے جن میں آپ زخمی بھی ہوئے اور مجبوراً چند مہینوں کیلئے دہلی سے ہجرت کرنا پڑی۔ مخالفت کے اس طوفان میں آپ کیوں اس فریضے کی ادائیگی پر اصرار کر رہے تھے آپ خود تحریر فرماتے ہیں "اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھکو قرآن سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت مآب کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلقین قرن اول کو فرمائی اور انہوں نے قرن ثانی تک پہنچائی اس طرح درجہ بدرجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت اور درایت سے حصہ ملا۔" ص

شاہ صاحب نے قرآن کا فارسی زبان میں ترجمہ کر کے محض قرآن کی تبلیغ نہیں کی بلکہ آپ نے قرآن کے آفاقی اور ابدی پیغام کو مقبول عام بنانے کی جدوجہد کی۔ اس سلسلہ میں آپ نے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کے اصول و ضوابط اس فارسی ترجمہ کے مقدمہ میں تفصیل سے واضح کئے مزید یہ کہ مفسرین کیلئے ضروری اوصاف، مفسرین کے طبقات کی تعیین اور قرآن سے اخذ و استفادہ کی مختلف راہیں تجویز کیں جو ان کی اہم تصنیف "الفوز الکبیر" کا خاص موضوع ہے۔ شاہ صاحب نے

ترجمہ قرآن کی بنیاد ڈالی جسے آپ کے جانشینوں نے آگے بڑھایا شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ اردو
میں "موضح القرآن" اور شاہ رفیع الدین نے لفظی و تحت اللفظ ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی
ان حضرات کو اردو میں قرآن کا ترجمہ کرنے کا خیال اپنے والد کے منصوبوں اور ان کی کوششوں کو
دیکھ کر پیدا ہوا۔ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں "بندے عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ ہمارے بابا صاحب
بڑے حضرت شیخ ولی اللہ عبدالرحیم صاحب کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان
کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کرکے لکھے ہیں اسی طرح اس عاجز نے
ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنی لکھے ہیں" [۵]

شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ قرآن کو مورخوں اور سوانح نگاروں نے ایک انقلابی قدم
قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بہت ہی بلند و بالا ہے" مورخ محمد اکرام اس کی عظمت کا اعتراف
ان الفاظ میں کرتے ہیں "قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والے میں جن خصوصیات کی ضرورت ہے وہ
شاہ صاحب سے بڑھ کر آج تک کسی مترجم میں جمع نہیں ہوئیں" [۶]

شاہ صاحب نے فارسی میں ترجمہ قرآن کے علاوہ "حواشی" بھی لکھے جو اب تک غیر مطبوعہ
ہیں آپ نے "فتح الخبیر" اور "مقدمہ فی قوانین الترجمہ" بھی لکھا۔ تاویل الاحادیث لکھ کر انبیائی قصص کی
حیثیت اور ضرورت کی وضاحت فرمائی۔ ان تمام کے علاوہ عربی میں بعض آیتوں اور الفاظ کی
مختصر شرح لکھی جس کا نام "فتح الرحمان بما لابد من حفظہ فی التفسیر" ہے شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر"
میں مطالعہ قرآن اور علوم قرآن کے تعلق سے بہت ہی مفید معلومات فراہم کی ہیں جن کا خلاصہ بیان
کرنا قارئین کیلئے فائدہ مند ہوگا۔

بقول شاہ صاحب پورا قرآن پانچ طرح کے علوم پر مشتمل ہے۔ قرآن کی ہر سورہ اور
ہر آیت ان ہی پانچ علوم کا طواف کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

(۲) علم مناظرہ میں چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ گفتگو اور ان کے گمراہ کن خیالات کی تردید دلائل
سے کی گئی ہے۔ ان چاروں گروہوں سے شاہ صاحب کی مراد یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین ہیں

(۱) علم احکام اس ضمن میں واجبات، فرائض اور اوامر و نواہی کی تفصیل ہے۔

(۳) تذکیر بآلاء اللہ۔ اس ضمن میں قرآن بے شمار نعمتوں کا ذکر کرتا اور اس کے لئے انسانوں میں

شکر کا جذبہ ابھارتا ہے۔

(۴) تذکیر بایام اللہ کے تحت قرآن معذب اقوام کے واقعات و قصص درج کرکے عبرت حاصل
کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

(۵) موت اور اس کے بعد کے واقعات کی تذکیر

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ قرآن عربوں کے محاوروں اور عام بول چال کی زبان میں نازل
ہوا نہ کہ مصنفین کے انداز پر لہٰذا مفسر قرآن کو قرآن میں منطقیوں کے انداز پر دلائل کی تلاش و جستجو
نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قرآن میں مختلف موضوعات ایک ساتھ بیان ہوتے ہیں، کہیں احکام کا
ذکر ہوتا ہے تو کہیں قصوں کی بحث چھڑ جاتی ہے، کہیں قیامت کے ذکر کے درمیان اچانک
احکامی آیات آجاتی ہیں۔ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ ہر بات اپنے اپنے مقام کے اعتبار سے
اہم بالشان ہوتا ہے۔ دوسری بات مفسر کو یہ یاد رکھنی چاہئے کہ جو آیات تذکیر بآلاء اللہ کے
ضمن میں ہیں انکا مقصد دراصل نفس کا تزکیہ اور تذکیر ہوتا ہے محض فلسفیانہ گفتگو یا مدعا بیانی
نہیں اس لئے تمام آیات کا سبب نزول تلاش کرنا کار عبث ہے۔ دوسرے باب میں آپ
فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کی قرآن فہمی میں ضرورت پیش آتی وہ درج ذیل ہیں، عربی و نحوی
قواعد مجمل آیات کی تفصیل، سبب نزول، منسوخ آیات۔ چنانچہ آپ نے قواعد کی ایک فہرست
تیار کی۔ مجمل آیات کی تفصیل عربی زبان میں کی، منسوخ آیات پر مجتہدانہ گفتگو کی اور ضروری
سورتوں کے اسباب نزول بتائے، غرائب آیات کی بہترین شرح آپ کے نزدیک حضرت
عبداللہ بن عباس کی ہے ان الفاظ کے معانی آپ نے ایک کتاب میں تحریر کرائے جو "الفوز الکبیر" کا
پانچواں باب ہے۔ تیسرے باب میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کے اسلوب پر بحث کی ہے
آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو مثل معمول کتاب کے ابواب و فصول میں تقسیم نہیں کیا گیا ہے بلکہ
اسے مجموعہ مکتوبات تصور کرنا چاہئے جس طرح بادشاہ رعایا کو مختلف اوقات میں مختلف احکامات
دیتا رہتا ہے اور انہیں ترتیب وار لکھ دیا جاتا ہے اسی طرح کلام اللہ کی حالت ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ علم تفسیر میں بہت زیادہ وسعت ہے مختلف نقطۂ نظر سے
کلام اللہ کی تفسیر کی جاسکتی ہے آپ نے مفسرین کے سات طبقات گنائے ہیں، جنہوں نے اپنے

اپنے انداز سے قرآن کی تفسیر کی ہے۔

۱:- محدثین: جو مرفوع، موقوف اور مقطوع احادیث یا اقوال صحابہ اور اسرائیلی روایات پر قناعت کرتے ہیں۔

۲:- متکلمین جو اسماء وصفات کی آیات میں تاویل کرتے ہیں۔ یہ گروہ مخالفین کے اعتراضات کو رد کرتا ہے۔

۳:- فقہاء و اصولیین جو احکامی آیات سے فقہ کا استنباط کرتے ہیں۔

۴:- نحویین: جو قرآن کی مشکل لغات کی تشریح کرتے ہیں، محاورہ میں کلام عرب سے دلیلیں پیش کرتے ہیں

۵:- ادباء جو قرآن میں علم معانی علم بیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتے ہیں۔

۶:- قراء و مجودین جو قراءت قرآن نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور قراءت کے اصول کو واضح کرتے ہیں۔

۷:- صوفیاء جو قرآن میں علم سلوک یا حقائق کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں۔

شاہ صاحب نے علوم قرآن، اعجاز قرآن، بلاغت قرآن، ربط آیات و سور، اسباب نزول، حروف مقطعات اور قصص انبیاء وغیرہ کے سلسلے میں مختلف جگہوں پر بہت ہی قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ ذیل میں شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

فن قرآن:- فن قرآن کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ قرآن کی تعلیم کا اہتمام اس طرح کیا جائے کہ بغیر تفسیر کے قرآن کے الفاظ پڑھے جائیں اور ان کا ترجمہ کر لیا جائے اس کے بعد فن قرآن کے متعلق ادبی، نحوی، صرفی یا شان نزول کے تعلق سے کوئی الجھن پیدا ہو تو توقف کر لیا جائے اور اس کی تحقیق کر لی جائے۔ اور جب قرآن ختم ہو جائے تب نصاب تک جلالین پڑھائی جائے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق اگر قرآن پڑھا جائے تو اس کا بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ طالب علم کو خود سوچنے کا موقع مل جائے گا اور مکمل طور پر ترجمہ قرآن یا تفسیر قرآن پر انحصار کرنے کے بجائے خود سے مطالعہ قرآن کا شوق پیدا ہو جائے گا۔

مقصد قرآن

"ازالۃ الخفاء" اور "حجۃ اللہ البالغہ" میں شاہ صاحب نے مقصد نزول کی وضاحت بڑے اچھے انداز میں کی ہے قرآن دنیا میں اس لئے بھیجا

گیا ہے تاکہ تمام ادیان پر اس کی فوقیت قطعی طور پر تسلیم کی جائے ان الدین عند اللہ الاسلام علیہ حق ثابت ہو جائے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً اور لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ وغیرہ آیات ثبوت کیلئے پیش کی جا سکتی ہیں۔

مضامین قرآنی کا ظاہری انتشار

مضامین قرآنی کے ظاہری انتشار کے سلسلہ میں عموماً مبتدی طالب علم کو کافی پریشانی لاحق ہوتی ہے شاہ صاحب ایک مبتدی کے لیے نظم قرآن اور ربط آیات کے سمجھنے پر قطعاً زور نہیں دیتے کیونکہ اس قوم کے لئے ان کے محاورات میں قرآن نے اپنے مقاصد واضح کئے ہیں دراصل قرآن یہ چاہتا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو مقصد قرآن سے آگاہ کر دے اور اس میں قرآن کامیاب ہے

ربط آیات

جہاں تک نظم قرآن اور ربط آیات کا معاملہ ہے تو شاہ صاحب قرآن کے اس پہلو پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اکثر مفسرین نے قرآن کے اندر بلاغت اور اسکے متعلقات کی خوب چھان بین کی ہے مگر حکمت کے اصول پر مطالب کو ذہن نشین کرانے کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ دی ہے۔ شاہ صاحب اصل مطالب سے فارغ ہو کر ربط آیات کی طرف آتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت "یٰبنی اسرائیل" کے حاشیہ سے ظاہر ہوتا ہے

قصص قرآن

شاہ صاحب نے تین اصول مقرر فرما کر قصص قرآن کے تکرار کا مسئلہ حل کر دیا وہ تین اصول یہ ہیں اول تذکیر بآلاء اللہ دوم تذکیر بایام اللہ سوم تذکیر بالموت وما بعدہٗ۔ مفسر کو تذکیر بآلاء اللہ کی وضاحت کے لیے علوم طبعیات کا ماہر ہونا چاہیے تذکیر بایام اللہ کو فقط ایک مورخ اور فلسفہ تاریخ کا ایک حاذق ہی حل کر سکتا ہے اور تذکیر بالموت وما بعدہ کو الٰہیات کا جزا فاضل ہی سمجھ سکتا ہے جسے عقلی الٰہیات کے ماسوا مختلف ادیان کے نظریات مابعد الموت پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔

فقہ اور قرآن

فقہ کی باریکیوں کو سمجھنے اور قرآنی احکام سے مسائل کا استنباط کرنے کیلئے ایک فقیہ کیلئے ضروری ہے کہ اس کی نظر پورے قرآن پر بہت گہری ہو یہ بات بڑے افسوس کی ہے کہ فقہائے عظام نے قرآن کو اپنے اصول میں اول نمبر پر رکھا

محکم اس سے مراد ان کے یہاں چند احکامی آیات اور اوامر و نواہی کی آیات ہیں۔ اس تخصیص کا برا اثر یہ ہوا کہ ایک فقیہ عالم سارے قرآن کے سمجھنے کو ضروری قرار نہیں دیتا جن لوگوں نے قرآن کے مخصوص حصے کو فقیہ بننے کیلئے ضروری قرار دیا گویا انہوں نے قرآن فہمی کا حق ادا نہیں کیا۔ شاہ صاحب کے نزدیک مسلمانوں کی مرکزی جماعت یعنی فقہا کیلئے الم سے الناس تک اس کے تمام لوازمات کے ساتھ ہضم کرنا ضروری ہے۔

آیات و سور کا شان نزول

ائمہ فقہاء نے بالاتفاق یہ اصول قائم کیا ہے کہ قرآن میں اگر کوئی آیت بلفظ عموم آئی ہے اور مفسرین اسکا سبب نزول کوئی خاص واقعہ بتاتے ہوں تو قرآن فہمی میں عموم الفاظ ہی کو مدنظر رکھا جائے گا۔ مفسرین نے اس اصول سے ہٹ کر ہر آیت اور ہر سورہ کا الگ الگ شان نزول بیان کرنے کا طریقہ اپنایا ہے شمار تفاسیر اس طرح کی مل جائیں گی جنمیں ہر آیت کے تحت یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ فلاں آیت ابوجہل کے بارے میں ہے اور فلاں آیت عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کی بابت ہے اور وہ آیت اہل بیت کے فضائل و محاسن کے باب میں۔

شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" کے ابتدا ہی میں اس غلطی کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے اور آیات احکام کا مطلب یہ بتایا کہ اجتماعی طور پر انسانوں میں جو بداعمالیاں اور بداخلاقیاں موجود ہیں' ان کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہیے۔ عرب و عجم اور زمانے کے تقدم و تاخر سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ دوسری طرف احکامی آیات کے علاوہ فضائل و مناقب کی آیات کے سلسلے میں فقہاء کے اصول سے آپ اتفاق کرتے ہیں۔

عقل اور قرآن

عام طور پر مفسرین نے روح کے علم کو متشابہات میں شامل کرلیا اور تمام مابعد الموت مسائل کو بھی متشابہات قرار دیدیا چنانچہ سرسری طور پر توجہ کرکے گذر جاتے ہیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ عقائد کی کتابوں میں توحید اور نبوت کا مسئلہ تو عقلی مانا گیا لیکن عذاب قبر سے لیکر جنت و دوزخ صراط مستقیم

اور میدان حشر وغیرہ کو نقلی امور میں سے مانا جاتا ہے عذاب قبر وغیرہ کو نقلی مسئلہ اسلیے مانا جاتا ہے کہ اس کا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے لیکن اسے عقلی نہیں مانتے بلکہ متشابہات میں شمار کرکے آگے گذر جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو اس غلطی سے بچالیا آپکے مطابق مابعد الموت کی زندگی مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے۔ آپ کے نزدیک عقل صریح کی تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن زبردستی منوانے پر اصرار نہیں کرتا۔

متشابہات

قرآن فہمی کی راہ میں جن چیزوں نے عقلوں پر رکاوٹ کے پہرے بٹھا دیے ہیں ان میں متشابہات کی بحث بہت اہم ہے محکمات اور متشابہات میں سے قسم اول کی تشریح و تفہیم تو علماء نے کی ہے لیکن آیات متشابہات میں بحث کرنا عموماً اہل علم نے ناممکن سمجھا نیز آیات متشابہات کی کوئی ایسی واضح تفسیر موجود نہیں ہے جس سے تمام انہی آیات بآسانی جدا کی جاسکیں۔ اس کا برا اثر یہ ہوا کہ قرآن بتمام و کمال ناقابل فہم و عمل ہوگیا۔ ایک دستور حیات کے تئیں علماء کا یہ عقیدہ بن جائے کہ اسکے بعض حصے فہم سے بالاتر ہیں تو عوام کیلئے پوری کتاب الہی مشتبہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ اس غلط فکر نے قرآن پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو دور کردیا۔

ناسخ و منسوخ

قرآن فہمی میں فکری انتشار کا ایک ذریعہ آیات ناسخ و منسوخ بھی ہیں کیونکہ علماء آپس میں اس مسئلہ پر متحد نہیں ہیں علماء کے مختلف گروپ نے ان آیات کی مختلف فہرستیں مرتب کرلی ہیں اس کا غلط نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے ہر عملی معاملہ میں شک پیدا کرکے اپنے کو بری الذمہ قرار دے لیا۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ علماء نے پانچ سو آیات کو منسوخ کردیا تھا لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ "اتقان" میں بیس سے زائد منسوخ آیات نہیں تسلیم کرتے۔ شاہ ولی اللہ مذکورہ بیس آیات میں بھی تطبیق دیکر نسخ کو پانچ آیات میں منحصر کردیتے ہیں۔

قرآن و سنت و اجماع

علماء کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف رہا ہے کہ آیا سنت کی مستقل حیثیت ہے یا نہیں یا قرآن پر کلی طور پر منحصر ہے اور اجماع کی کیا تعریف ہو سکتی ہے؟ شاہ صاحب سنت کو قرآن سے

مستنبط مانتے ہیں لیکن ائمہ فقہاء سے جگہ استنباط کے طریقے اور اصول آپ کے یہاں جدا ہیں اس طرح شاہ ولی اللہ کے نزدیک سنت کی مستقل اپنی حیثیت ہے اور قرآن سے بدستور اسکا مضبوط رشتہ جڑا رہتا ہے "ازالۃ الخفاء" میں شاہ صاحب نے واضح کہا ہے کہ شہادتِ عثمانؓ تک کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا جس میں مسلمانوں کا مستند علمی و عملی دستورِ حیات سوائے قرآن کے اور کچھ لکھا ہوا نہ تھا اس طرح اجماع دراصل قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا لہٰذا اجماع قرآن کے اصول پر کئے جانے فیصلے ہونگے۔ اجماع بھی قرآن کے بالمقابل کوئی اصل نہ بنا۔ اس طرح مسلمانوں کے درمیان قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللہ ہیں،

قرآن اور عالمی انقلاب کا پیغام

شاہ ولی اللہ کی تحریروں سے بلفظیں حد تک یہ تصور بنتا ہے کہ آپ کے نزدیک قرآن عظیم دنیا کی تمام اقوام کیلئے عالمی انقلاب کا پروگرام ہے جیسا کہ هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون" سے ثابت ہوتا ہے

قرآن مجید کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے ان خیالات کے ذریعے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ شاہ صاحب نے کیوں سب سے زیادہ زور فروغ علم قرآن پر دیا اور وہ کون سے اسباب تھے جنہوں نے قرآن فہمی کی راہ میں پردے حائل کر رکھے تھے اور کس طرح قرآن کی تعلیمات کو عام کیا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب نے حتی المقدور اس راہ میں پیش قدمی کی جس کے اچھے نتائج آپ کی زندگی ہی میں نمایاں طور سے ظاہر ہوئے۔ متاخرین نے شاہ صاحب کے خیالات سے فائدہ اٹھاکر علوم قرآن کو مزید وسعت دی۔ مورخین کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ شاہ صاحب نے قرآن خوانی کے دور سے نکال کر فہم قرآنی کے دور میں مسلمانوں کو پہنچا دیا۔ اور اقامت دین کیلئے ابتدائی خاکہ تیار کردیا۔ چنانچہ برصغیر ہندو پاک میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم جن علماء

نے نظم قرآن، ربط آیات، اسباب نزول، اور متشابہات وغیرہ جیسے معرکۃ الآراء مباحث پر جو کچھ لکھا ہے انہوں نے شاہ صاحب کی قرآن فہمی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ہندوستان میں علامہ حمید الدین فراہیؒ کی قرآن فہمی اور اس میدان میں آپ کی خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ حمید الدین فراہیؒ کا فکر شاہ ولی اللہ کے فکر سے بہت مماثل و مستفاد ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن اس فکر کی واضح ترجمان ہے اسی طرح مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکری و عملی جدوجہد کا سرسری جائزہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جن خطوط پر کام کیا آپ نے اس میں اضافہ کیا اور جس عملی کام کو وہ حالات و ظرف کی ناہمواری کے سبب نہیں کرسکے مولانا مودودیؒ نے اسے عملاً جاری کیا۔ اس طرح مولانا مودودیؒ کا پورا تصنیفی دفتر فکر ولی اللہی کے رنگ سے رنگا ہوا نظر آتا ہے۔ اور خاص طور پر آپ کی تفسیر تفہیم القرآن گویا فکر ولی اللہی کی واضح ترجمان ہے۔

حوالہ جات

۱:- تجدید و احیائے دین ص ۸۹ مولانا مودودی دوسرا ایڈیشن مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۲:- علم الکلام ص ۷۷ علامہ شبلی نعمانی مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی طبع اول ۱۹۶۴

۳:- فرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۳۶ ابوالحسن علی ندویؒ "حضرت ولی اللہ بحیثیت مصنف"

۴:- الفوز الکبیر ص ۱-۲ شاہ ولی اللہ

۵:- مقدمہ موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ ناشر: شیخ غلام اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

۶:- رد کوثر ص ۵۵ محمد اکرام تاج کمپنی دہلی۔

۷:- مزید تفصیل کیلئے ناظرین مولانا عبیداللہ سندھی کا مضمون "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" ملاحظہ فرمائیں۔

طٰہٰ حسین کی خودنوشت سوانح عمری "الایام" ایک تعارف

صفدر سلطان اصلاحی علی گڑھ

طٰہٰ حسین کی خودنوشت سوانح عمری الایام جو صرف بچپن سے جوانی تک کے حالات پر مشتمل ہے اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بہت مقبول سوانح عمری شمار کی جاتی ہے دنیا کی کئی غیر زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اور لاکھوں نسخے، بازار میں فروخت ہو چکے ہیں۔ کتاب کی اشاعت پر نصف صدی گزر جانے کے باوجود اس میں نہ کہیں قدامت کا گمان ہوتا ہے اور نہ اس کی شہرت و مقبولیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

یہ کتاب تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کے اولین دو اجزاء سنہ ۱۹۲۹ء میں شائع ہو گئے تھے اور آخری جزء کے ۱۹۶۲ء میں شائع ہونے کی اطلاع ہے[1] مگر تلاش بسیار کے باوجود آخری حصہ دستیاب نہیں ہو سکا اس لئے صرف اس کے اولین دو اجزاء ہی کا جائزہ لیا جا سکتا ہے جو کہ معروف و متداول ہیں توقع ہے کہ الایام کے تیسرے جزء میں فرانس میں قیام کی داستان اور اس کے بعد کے واقعات کا ذکر ہوگا۔ کاش اس کی فراہمی کی بھی کوئی شکل نکل آتی۔

"آپ بیتی" کے عام طرز سے ہٹ کر یہ کتاب ایک نئے اسلوب میں لکھی گئی ہے دراصل یہ ایک طویل قصہ ہے جو باپ اپنی بیٹی کو سنا رہا ہے داستان خود قصہ گوئی ہے مگر

ؔ۱ اعلام الادب المعاصر فی مصر انور الجندی سکوت اماء سوں جز ص ۲۱۸

اس نے پورا قصہ صیغۂ غائب میں لکھا ہے[1]

اس میں اس نے پیدائش، گھریلو ماحول، پرورش، طریقہ، ماں باپ اور بھائی بہن کا اس کے ساتھ سلوک، گاؤں کے حافظ جی سے حفظ قرآن پاک کی شروعات، مدرسہ کی مشغولیت، حافظ جی کا تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز تعارف، تکمیل حفظ قرآن پاک کے بعد امتحان پھر اس میں ناکامی کی خفت، حافظ جی کی ڈانٹ پھٹکار، مدرسہ کے مانیٹر کی نگرانی میں کوشش کا اعادہ اور رشوت کے ذریعہ اس سے چھٹکارا، ازہر میں داخلہ کی تیاری، اس کے لئے ایک دوسرے شیخ سے رابطہ، بھائی کے ساتھ ازہر روانگی، وہاں مختلف شیوخ سے رابطہ، ازہر کا طریقہ تعلیم، اسباق اور ازہر کے ماحول و نظام پر تبصرہ بڑے موثر، دلچسپ اور دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب کسی راجہ رانی کی داستان نہیں بلکہ خود مصنف کی آپ بیتی ہے۔ اس دوران اس کو جو بڑی بڑی مصیبتوں سے گزرنا پڑا، جو کچھ دیکھا اور سمجھا اور ان کے بارے میں اپنی جو رائے قائم کی ان سب کی تفصیلات اس نے بڑی جرأت و بے باکی سے بڑے پرزور اور لطیف انداز میں بیان کیا ہے[2] مولف کی زندگی کا سب سے بڑا اور دردناک حادثہ بینائی کا ضائع ہونا ہے اس عظیم نعمت سے محرومی کا ان کو کب اور کس قدر احساس ہوا اس کی تفصیل وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"اس کو ان باتوں کا سبب معلوم کرنے کا انتظار نہیں کرنا پڑا اور یہ محسوس ہو گیا کہ دوسروں کو اس پر فضیلت حاصل ہے اور اس کے بھائی بہنوں میں کوئی ایسی قوت ہے جو اس کو نصیب نہیں وہ کچھ ایسے کام کرتے ہیں جن کو وہ نہیں کر سکتا اور یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کی ماں نے اس کے بھائی بہنوں کو کچھ ایسی باتوں کی اجازت دی ہے جن سے اس کو منع

ؔ۱ تطور الروایۃ العربیۃ الحدیثۃ فی مصر، ڈاکٹر عبد المحسن طٰہٰ بدر ص ۳۰۳، دار المعارف مصر ۱۹۷۷ء

ؔ۲ تطور الروایۃ العربیۃ الحدیثۃ مصر ص ۳۰۴، ۳۰۵، الایام، طٰہٰ حسین جلد اول ص ۱۵، دار المعارف مصر ۱۹۳۳ء

کرتی ہے۔ ماں کی یہ احتیاط اس کو بہت ناگوار تھی مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی یہ ناگواری خوشی اور گہرے رنج میں بدل گئی کیونکہ اس نے اپنے بھائیوں کو ایسی باتیں کرتے ہوئے سنا جن سے یہ ناواقف تھا لہٰذا وہ سمجھ گیا کہ وہ بینا ہیں اور وہ نابینا ہے ل"

اسی طرح اس نے اپنی چھوٹی بہن کی بیماری تڑپ، والدین کی جہالت اور بے توجہی کو کتنی صاف گوئی اور دردناک انداز میں بیان کیا ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"بقر عید قریب تھی۔ اس کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں اسی اثنا میں بچی ایک روز سست اور خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی دیہاتوں میں اکثر اسطرح کی غفلت اور بے توجہی کا شکار ہونا پڑتا ہے یہاں کی عورتوں کے پاس ایک ایسا ناجائز فلسفہ اور علم ہے جو ایک گناہ عظیم سے کم نہیں ہے یعنی بچے کو کوئی شکایت ہو جائے تو اس کی ماں خیال کرتی ہے کہ وہ کون بچہ ہے جو بیمار نہیں ہوتا؟ ایک دو روز میں خود بخود اچھا ہو جائے گا۔ یہی معاملہ اس بچی کیسا تھ ہوا۔ اسے بہت تیز بخار آ گیا وہ گھر کے ایک گوشہ میں پڑی رہی اس کی ماں اور اس کی بہن کبھی کبھی اس کو دیکھ لیتیں اور اس کو کچھ کھانے کو دے دیتیں اور گھر میں کام کاج کا سلسلہ برابر جاری رہتا اس طرح بیماری کو چار دن گزر گئے چوتھے دن عصر کا وقت تھا اچانک سارا کام کاج موقوف ہو گیا اب ماں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ ایک خوفناک سایہ اس کے گھر پر منڈلا رہا ہے اس سے پہلے اس گھر نے موت کا منھ نہیں دیکھا تھا ماں نے کبھی حقیقی رنج کا مزہ نہیں چکھا تھا اس کا سارا گھر اس کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ بچی اپنی ماں کے ہاتھوں میں بے چین اور تڑپ رہی تھی اور اس کا چہرہ کھنچا جا رہا تھا اس کے چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا...... ماں باپ اور بھائی بہن سب پریشان تھے۔ شام کا کھانا بھی کسی نے نہیں کھایا ماں کبھی بچی کو گھورتی اور کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی۔ باپ قرآن کی تلاوت اور ذکر میں مصروف تھا۔ مگر اب آسمان کے دروازے بند ہو چکے تھے قسمت کا لکھا اٹل تھا جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ شیخ قرآن کی تلاوت تو کر سکتے تھے اور ماں گڑگڑا کر دعا تو مانگ سکتی تھی مگر تعجب ہے کہ ان سب میں کسی کو ڈاکٹر کا خیال نہ آیا۔ اس کی بیماری کیا تھی اور اس میں اس کی جان کیسے گئی؟ بس اس کو خدا ہی جانتا ہے وہاں اب دوسری ہی قسم کی

چیخیں اٹھیں، یہ چیخیں اس کی ماں کی تھیں۔ اس کی ماں سخت گھبرائی ہوئی تھیں ان کی زبان سے بے جوڑ الفاظ نکل رہے تھے۔ روتے روتے اس کا گلا بیٹھ گیا۔ وہ زور زور سے اپنا منھ نوچ رہی تھیں، ماتم کر رہی تھیں، سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ اس کے اطراف ان کی بیٹیاں بھی اسی کی طرح روتی جاتی اپنا منھ نوچتی اور ماتم کرتی جاتی تھیں...... ل"

طٰہٰ حسین کا جوان سال اور صحت مند بھائی کالرا کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔ اس واقعہ کا ان پر خصوصیت کے ساتھ بڑا اثر پڑا۔ وہ برسوں تک اسے بھلا نہ سکے، دن کی چہل پہل ہو یا رات کی تاریکی اور سناٹا، گھر کا ماحول ہو یا قاہرہ کی گلیاں وہ ہر جگہ یاد آتا۔ بھائی کی جدائی کے غم میں اس نے اپنی زندگی میں کئی بنیادی تبدیلیاں پیدا کر لیں۔ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا کہ کوئی چیز کھانے کو پائے گا تو اس کا ایک حصہ اپنے بھائی کے نام پر خیرات کرے گا۔ وہ نماز دوہری پڑھے گا، سال میں دو ماہ روزہ رکھے گا تاکہ ایک کا ثواب بھائی کو ملے، کچھ دنوں بعد جب وہ ازہر کے لئے روانہ ہوئے تو اپنے بھائی کی یاد میں کس قدر ملول تھے انہی کے الفاظ میں دیکھئے:۔

"جمعرات کا دن آ گیا تو بچے نے اپنے آپ کو دیکھا کہ وہ سچ مچ سفر کے لئے تیار ہے یہاں تک کہ اس نے اپنے آپ کو اسٹیشن پر موجود پایا اور جب سورج نکلا تو اس نے اپنے آپ کو دیکھا کہ وہ سر جھکائے، غمگین اور اداس اپنے دونوں پاؤں پر ہاتھ رکھے اکڑوں بیٹھا ہے اس نے اپنے بڑے بھائیوں کی آواز سنی جو اس پر ترس کھا کر اس کو گھور رہے تھے کہ اس طرح کیوں ملول اور رنجیدہ بنے بیٹھے ہو۔ اس نے اپنے والد کی آواز سنی جو مہربانی سے اس کا دل بڑھانے اور اس کو ہمت دلانے کے لئے

ل الایام جلد اول ص ۲۰۰ تا ۲۰۹۔

کہہ رہے تھے "تمہیں کیا رنج ہے کیا تم ایک مرد نہیں ہو کیا تم چند روز کے لئے اپنی ماں کو نہیں چھوڑ سکتے؟..... خدا گواہ ہے اس بچہ کو نہ تو اپنی ماں سے جدا ہونے کا غم تھا اور نہ اس لئے غمگین تھا کہ وہ اب کھیل نہ سکے گا بلکہ اس وقت اس کو اپنا وہ مرحوم بھائی یاد آرہا تھا۔ اس کو خیال آتا تھا کہ وہ اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ ان دونوں کے ساتھ وہ بھی قاہرہ چلے گا۔ یہی باتیں اس کو غمگین بنا رہی تھیں مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا اور نہ اپنا غم ظاہر کیا بلکہ مسکرانے کی کوشش کی اگر وہ جی کڑا نہ کرتا اور اپنے آپ کو طبیعت پر چھوڑ دیتا تو خود بھی روتا اور اپنے باپ اور بھائیوں کو بھی رلاتا۔"[1]

طٰہٰ حسین کا قلم اتنا بے باک اور جری تھا کہ بڑی سے بڑی بات کہہ دینے میں بھی وہ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے ماں باپ، اساتذہ، شیوخ، علماء الغرض جس کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتے کہہ جاتے۔ موسم سرما کی آمد کے موقع پر ان کے دادا کے اوپر دینداری کا جو ماحول پیدا ہو جاتا اس پر بھی انہوں نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا ہے اور اس کا مذاق اڑایا ہے[2]۔ اپنے استاد حافظ جی کی عادات و اطوار کو مختلف مقامات میں انتہائی تمسخر آمیز انداز میں تبصرہ کیا ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"اس خاندان پر ہمارے حافظ جی کے جو حقوق تھے وہ ہمیشہ کھانے، پینے، کپڑے اور مال کی صورت میں ادا ہوتے تھے، مگر اب ہمارے دوست کا قرآن ختم ہونے پر جو تازہ حقوق پیدا ہو گئے ان میں سب سے اول بط کا تر اور چکنا نوالہ ہے اس کے بعد جبہ قفطان اور ایک جوڑی جوتا، ایک ولائتی ترکی ٹوپی، ایک ٹیکا اس ریشمی کپڑے کا جس سے عمامہ باندھتے ہیں اور ایک سرخ اشرفی ہے۔ ہمارے حافظ جی اس سے کم کوئی چیز قبول ہی نہ کریں گے، اور اگر یہ ساری چیزیں ہمارے حافظ جی کو نہ ادا کی جائیں تو پھر ہمارے حافظ جی اس خاندان سے ناراض ہو جائیں گے"[3]۔

[1] الایام جلد اول ص ۱۲۱-۱۲۲۔ [2] ایضاً ص ۲۲۔ [3] الایام جلد اول ص ۲۸۔

حافظ جی نے طٰہٰ حسین کے آموختہ کے اعادہ کی ذمہ داری مدرسہ کے مانیٹر کے سپرد کر دی تھی۔ انھوں نے اس مانیٹر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:۔

"یہ مانیٹر (عریف) بھی مدرت میں ہمارے حافظ جی سے کم نہیں تھا۔ یہ ایک دبلا پتلا، لانبا، سخت مزاج نوجوان تھا۔ یہ ایک بدقسمت شخص تھا جس کو اپنی زندگی میں کبھی بھلائی کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اس نے سارے کاموں کا تجربہ کیا مگر کسی میں کامیابی نہیں ہوئی جب زندگی اس سے اور وہ زندگی سے تنگ آگیا تو ہمارے میاں نے اسے اپنے معاون کے طور پر رکھ لیا..... یہ مانیٹر بہت حریص اور لالچی تھا پڑھائی لکھائی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بچہ نے اسے روٹی، پیپرمنٹ اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ پڑھنے اور سننے کی بات نہیں کرے گا"[1]۔

اس طرح طٰہٰ حسین حافظ جی کی عادات و اطوار، مدرسے کے ماحول اور عریف کی رشوت خوری وغیرہ سے بہت زیادہ تنگ ہو گئے تھے، ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو گیا تھا کہ رشوت خوری تمام بڑوں کی ایک مشترک عادت ہوتی ہے۔

ان کا بھائی ازہر میں پڑھتا تھا جب وہ چھٹیوں میں گھر آیا تو اس نے مشورہ دیا کہ طٰہٰ حسین کو الفیہ ابن مالک حفظ کرا دی جائے۔ اس سے ازہر کی تعلیم میں سہولت ہوگی والد نے سب سے پہلے مدرسہ کے حافظ جی سے بات کی لیکن بقول طٰہٰ حسین ان میں اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ چنانچہ گاؤں کے محکمۂ شرعیہ کے قاضی سے بات کی گئی اور وہ آمادہ بھی ہو گئے۔ لیکن یہاں بھی طٰہٰ حسین کی طبیعت نہیں لگی۔ قاضی کی آواز، پڑھانے کا طریقہ اور فقہ حنفی میں ان کے تشدد کا انھوں نے خاص طور سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے[2]۔ الغرض گاؤں کی ہر تعلیم کا ان پر برا اثر پڑا۔ گاؤں میں

[1] ایضاً ص ۴۴، ۴۵۔ [2] الایام جلد اول ص ۵۷ تا ۵۹۔

مختلف طبقۂ فکر کے علماء تھے۔ یہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے اور عوام کو دھوکہ دیتے گاؤں والوں کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ گاؤں میں کتب فروش معمولی قصہ کہانیاں، سحر اور اشعار کی کتابیں لا کر بیچا کرتا تھا۔ لوگ خرید کر پڑھتے اور محظوظ ہوتے تھے۔ طٰہٰ حسین کو اشعار، قصے اور کہانیوں سے بڑی دلچسپی تھی یہ سب کو بڑے شوق سے سنتے اور اکثر کو یاد کر لیا کرتے تھے اسی درمیان انھوں نے سحر و طلسم کا علم بھی سیکھ لیا۔[1]

الایام کے دوسرے حصے میں طٰہٰ حسین نے اپنی تعلیمی زندگی کا تذکرہ اس قدر تفصیل سے کیا ہے کہ انھوں نے جن لوگوں سے پڑھا اور جن کے قرب و جوار میں رہے ان سب کا کردار کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اس میں ایک طرف مصری زندگی کے نشیب و فراز اور اچھائی و برائی سامنے آتی ہے تو دوسری طرف جامعہ ازہر کے کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے، ازہر میں داخلہ ملا تو انھیں بڑا شوق تھا کہ کچھ نئے انداز کی تعلیم ہوگی مگر درس میں حاضری ہوئی تو اساتذہ کی پرانے انداز کی تقریریں سن کر بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ ازہر کے ایک استاذ کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"مجموعی حیثیت سے شیخ کا حال یہ تھا کہ نہایت درشت مزاج، پڑھاتے تو سختی اور کراہیت سے، طلبہ سے سوال کرنا ہو یا جواب دینا ہو تو دونوں میں غیظ و غضب کا اظہار، جلد ہی غصہ آجاتا، ذرا معلوم ہو کہ کوئی سوال کرنے والا ہے یا سوال کر رہا ہے تو گالیوں کی بوچھار کرنا ان کی خاص عادتیں تھیں۔ اگر کوئی طالب علم بڑی ہمت و جرأت والا ہوتا اور اپنے سوالوں پر اصرار کرتا تو پھر خیریت نہ تھی قریب ہوتا تو تھپڑ رسید کر دیتے اگر دور ہوتا تو جوتا ہی کھینچ کر مار دیتے جو شیخ کا جوتا بھی

[1] ایضاً ص ۷۶ تا ۸۲۔

تو شیخ کی آواز کی طرح نہایت گندا اور سخت تھا اور ایسا خشک جیسے شیخ کے کپڑے تھے۔[1]

اسی طرح ایک دوسرے استاد کے سبق کا حال بیان کرتے ہیں جس کا سبق سن کر طٰہٰ کو علم ہی سے نفرت ہونے لگی۔ "شیخ بڑے نغمگیں اور مترنم لہجہ میں سبق پڑھاتے اور اگر مرد نے عورت سے کہہ دیا، تو طلاق ہے، یا تو طلام ہے یا طلال ہے یا تو طلاۃ ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی الفاظ کے رد و بدل سے کوئی فرق نہیں پڑتا" پھر سبق کے آخر میں اپنے اس نغمہ کو اس جملہ کے ساتھ منقطع کرتے جسے وہ دوران سبق بار بار دہراتے تھے۔ "ادع" بچہ اس لفظ کو سن کر دل ہی دل میں سوچتا ادع کا کیا مطلب ہے پھر جب کلاس ختم ہوئی تو اپنے بھائی سے سوال کرتا یہ ادع کا کیا مطلب ہے۔ بھائی اس سوال پر زوردار قہقہہ لگاتے اور کہتے ادع کا مطلب شیخ کی زبان میں ہے" اے بیٹو لڑکو۔[2]

مندرجہ بالا اقتباسات زیادہ تر ازہر کے اساتذہ سے متعلق ہے، اب ہوسٹل کی زندگی کی ایک جھلک بھی ملاحظہ ہو۔ طٰہٰ حسین کو مطبخ کا کھانا بالکل پسند نہیں تھا چوکر کی روٹی اور کیڑوں مکوڑوں سے اٹا ہوا سالن ہوا ان کی حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ انھوں نے اس کا جس طرح نقشہ کھینچا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں ازہر کا نظام طعام حد درجہ ناقص اور لائق اصلاح تھا۔ ہوسٹل کی زندگی میں طٰہٰ حسین کو الحاج علی نامی نابینا سے بیحد نفرت ہو گئی تھی، وہ صبح سویرے معمول کے مطابق ان کی میٹھی نیند میں خلل ڈال دیا کرتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"یہ نابینا صبح سویرے اپنا سوٹا لے کر آیا کرتا تھا اس کی ڈھو آوازیں لڑکوں کو بیدار کرنے کے لئے بلند ہوتیں تو چھوٹی عمر کے لڑکے ڈر جاتے۔ اس کی آواز

[1] الایام، طٰہٰ حسین، جلد دوم ص ۱۱۵، مکتبۃ الاعتماد ۱۹۵۴ء۔ [2] ایضاً ص ۱۲۰۔

سے دہشت معلوم ہوتی تھی جب وہ پکارتا تھا، "هلم یا هؤلاء! هلم یا بهائم! اٹھے ارے اٹھ جاؤ، آؤ اے جانورو! اب تک سوتے رہ گئے۔ اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر سے، گمراہی سے، کیا تمہارے شیوخ نے یہی پڑھایا ہے"[1]

یہ تو اس بوڑھے کا صبح کا معمول تھا اس کے علاوہ اس کی عادات و اطوار بیان کرتے ہوئے طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ، "علی اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کا خوب اظہار کرتا تھا رات کے آخری حصہ میں کھنکھتا ہوا کمرے سے نکلتا۔ ذکر الٰہی و تسبیح پڑھتا ہوا، اپنا عصا زور زور سے زمین پر مارتا ہوا سیدنا مسجد کی طرف جاتا وہاں بیٹھ کر اپنے صبح کے اوراد و وظائف پڑھتا، دوسری طرف جب نوجوان لڑکوں کی مجلسوں میں شریک ہوتا، ان کے کھانے پینے یا قصہ خوانی کی محفل میں ہوتا تو لڑکوں سے زیادہ اس کی آواز گونجتی تھی۔ دنیا بھر کی غیبت کرنے والوں میں وہ سب سے آگے تھا۔ گفتگو کے الفاظ بہت بھدے اور بازاری ہوتے غرض اس کی عبادت گزاری سے ان باتوں کو کوئی جوڑ نہیں تھا"[2]

یہ طٰہٰ حسین کی کتاب کے چند اقتباسات تھے ظاہر ہے پوری کتاب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب طٰہٰ حسین کی شاہکار تصنیف ہے۔ اپنے ذاتی حالات صیغہ غائب میں جس خوش اسلوبی، جرأت اور بے باکی سے انھوں نے بیان کیا ہے یہ ان کی خصوصیت ہے کتاب کی شہرت و مقبولیت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ اس سے ادباء و نقاد نے دلچسپی لی ہے اور اس کے مضمون، مواد اور اسلوب پر ہر پہلو سے کھل کر تبصرہ کیا ہے، چند ناقدین کی رائیں بطور حوالہ ذیل میں نقل کی جا رہی ہیں:۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری لکھتے ہیں: "الایام۔ جس میں طٰہٰ حسین نے زندگی

۱؎ الایام جلد دوم ص ۲۲، ۲؎ ایضاً ص ۳۷، ۳۸۔

کی محرومیاں اور بچپن و جوانی کی کشمکش سے پُر شب و روز کی تصویر کشی کی ہے۔ جدید دور کے عرب ادباء کی سوانحات میں بہترین اور شاندار سوانح شمار کی جاتی ہے۔" وہ مزید لکھتے ہیں، "ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ توجہ اور شفقتوں سے محروم ایک نابینا بچے کے احساسات و جذبات کی تصویر کشی انتہائی جرأت اور سچائی سے کرتے ہیں جس میں خصوصی طور سے مصر کے دیہاتی ماحول کے اجتماعی و ثقافتی حالات پر تکلیف دہ تنقید بھی ہے"[1]

انیس المقدسی اپنی کتاب الفنون الادبیہ میں لکھتے ہیں۔ "طٰہٰ حسین واقعات کو بیان کرتے وقت فنی خوبیوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اسی لئے الایام کو طٰہٰ حسین کا شاندار کارنامہ اور بہترین قصہ قرار دیا جاتا ہے۔ الفاظ و عبارت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ان میں نزاکت و لطافت ایک ایسا خاص ملکہ ہے جو ان کی تحریر کو سحر حلال کے زمرہ میں لا کھڑا کرتا ہے اس سحر حلال کے بنیادی عناصر کا تجزیہ اگرچہ مشکل ہے البتہ ناقدین ادب نے زمانہ قدیم ہی سے اس کو حسن بیان، بھرپور رعنائی اور اشراق و دیباجہ سے تعبیر کیا ہے"[2]

ڈاکٹر احسان عباس فن السیرۃ میں طٰہٰ حسین کے فنی اسلوب کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"میری رائے میں "الایام" کو خود نوشت سوانحات میں وہ مقام حاصل ہے جو عربی میں دوسری سوانحات کو حاصل نہیں ہے خصوصاً اس کا جزو اول جو متعدد خصوصیات کا حامل ہے۔ قصوں میں ان کا حسین و جمیل انداز اور خوبصورت اسلوب ان کی رگ رگ میں چھپے ہوئے جذبات کو عیاں کرتا ہے۔ ان کے فنکارانہ لمس جو اشخاص کی تصویر کشی کرتے اور نئے انداز میں اس تکلیف دہ مسخرہ پن کی قدرت جو ظاہر ہو جاتی ہے لیکن گویا کہ غیر مقصود ہوتی ہے"[3]

ڈاکٹر شوقی ضیف لکھتے ہیں:۔ "یہ دقیق سوانح عربی زبان میں نفیس و نادر سوانح عمری شمار کی جاتی ہے کیونکہ اس کے مصنف نے اس میں اپنے اور مصری ماحول کو ہر زاویہ سے پیش کیا ہے خواہ شہری ماحول ہو، یا دیہات و مدرسہ کا ہو، مسجد کا ہو یا ازہر کا ہو، جامعہ کا ہو، جامعہ کے اساتذہ کا۔ انھوں نے یہاں وہاں جگہ کے ماحول کا نقشہ فنی انداز میں کھینچا ہے"[4]

۱؎ مجلۃ المجمع العلمی الهندی ج اول ص ۱۸۹، جون ۱۹۷۶ء، قسم اللغۃ العربیۃ و آدابها العلی جرہ۔ ۲؎ الفنون الادبیہ و اعلامها، انیس المقدسی، المکتب العربی بیروت ۱۹۶۳ء ص ۵۷۰۔ ۳؎ فن السیرۃ، احسان عباس ص ۱۳۲، دار بیروت ۱۹۵۶ء۔ ۴؎ الترجمۃ الذاتیۃ، شوقی ضیف ص ۱۲۰۔ دار المعارف ۱۹۵۶ء

عبدالرازق فلاحی

توجہ مطلوب ہے

اساتذۂ کرام اور ارکان مدارس سے

" ایک بار حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے عرفات میں کہا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں کہتے" حضرت سعید بن جبیرؒ ساتھ تھے بولے کہ معاویہؓ کا خوف مانع ہے یہ سنتے کے ساتھ ہی خیمے سے نکلے اور تین بار لبیک کہا اور فرمایا کہ علی کے بغض سے انہوں نے سنت کو چھوڑ دیا"

(نسائی کتاب الحج باب التلبیۃ بعرفہ ماخوذ از اسوۂ صحابہ ج ۲ ص ۷ ؛

از مولانا عبدالسلام ندوی)

ہندوستان کے اندر دینی مدارس اسلام کے قلعے سمجھے جاتے ہیں جہاں نئی نسل کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اور چونکہ یہ ادارے غیروں کی مداخلت سے آزاد ہوتے ہیں اس لئے بجا طور پر یہ توقع بھی رکھی جاتی ہے کہ اس دائرہ میں کم از کم جو کچھ ہوتا ہے وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہوتا ہے اور خدانخواستہ کسی وجہ سے کبھی کچھ غلط ہو بھی جائے تو چونکہ سب ایک راہ کے راہی ہوتے ہیں اس لئے ایک دوسرے کو غلطی پر متنبہ کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں اور اصلاح کرلیں، کیونکہ کم از کم اس دائرہ میں ان کیلئے کوئی خوف مانع نہیں ہوتا اور خدانخواستہ کوئی خوف لاحق ہو بھی جائے تو خوف خدا کے آگے وہ اس کی پرواہ کرنے والے نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ غیرت حق کے خلاف ہے۔ لیکن افسوس جب ہم عملاً مشاہدہ کرتے ہیں تو ساری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ بلا استثناء میں یہ کہہ سکتا ہے کہ تقریباً تمام ہی اداروں میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں لیکن انکو غلط سمجھتے ہوئے بھی بدلنے پر آمادہ نہیں اور دل تو اس وقت اور بیٹھ جاتا ہے۔ جب وہاں کے اساتذہ اور ارکان

بقیہ ص ۴۳ پر

غزلیں

— اوریں فنا آرہ —

جسے اپنا جو مستقبل سمجھنا
اسی کو آپ اہل دل سمجھنا

کسی لمحہ نہ مرجھائے گا چہرہ
ہر اک تنہائی کو محفل سمجھنا

ذرا بھی لوگ کر دیتے ہیں زخمی
کسے آتا ہے دل کو دل سمجھنا

دلوں میں ہیں جو اندھی خواہشیں ہیں
تباہی میں انہیں شامل سمجھنا

کنارے بھی نگل لیتے ہیں کشتی
نہ ساحل کو کبھی ساحل سمجھنا

اسی کو موت سمجھو شخصیت کی
ضیا خود کو کسی قابل سمجھنا

کلا کالا مارکیٹ (علی پور) بدایوں (یوپی)

— ایم اے شمسی دربھنگوی :-

رنج پہنچا بے شمار ہے صاحب
دل مرا بے قرار ہے صاحب

جھوٹ کو سچ بتاتا رہتا ہے
وہ بڑا ہوشیار ہے صاحب

ساری دنیا میں کھلبلی سی ہے
ہر طرف انتشار ہے صاحب

اس ترقی پذیر دور میں بھی
زندگی تار تار ہے صاحب

آرزوؤں کے پھول کھل نہ سکے
یہ بھی کوئی بہار ہے صاحب

آج شمسی کی قدر مت کیجئے
کل کا یہ شاہکار ہے صاحب

بیت السلام، دگھیا، دربھنگہ (بہار)

ابو احمد فلاحی

تعارف و تبصرہ

نام کتاب : اردو میں ادب اطفال ایک جائزہ
مصنف : پروفیسر اکبر رحمانی
ضخامت : ۱۱۶ صفحے مجلد مع سیٹ کورس
قیمت : ۳۵/- روپے
ناشر : ڈائرکٹر ایجوکیشنل اکیڈمی جلگاؤں

زیر تبصرہ کتاب "اردو میں ادب اطفال ایک جائزہ" گیارہ مقالوں پر مشتمل ایک ایسا گلدستہ ہے جو ادب کی بنیادی صنف ادب اطفال میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اس میں اس چمن کے پھول کو بہت ہی اچھے انداز میں سجایا گیا ہے چنانچہ ہر مقالہ پڑھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہوا کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

یہ حقیقت ہے کہ خاندان قوم اور ملک کے مستقبل آج کے بچے ہی ہیں وہ قوم و ملک کی امانت ہیں اس لیے صحیح طریقے پر انکی پرورش و پرداخت پوری قوم پر فرض ہے اگر اس سلسلے میں کوتاہی ہوتی ہے تو پھر قوم و ملک صحت مند و توانا شہریوں سے محروم ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں بے شمار سماجی وہ معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ٹھیک اسی طرح سے انکی اخلاقی ارتقاء اور روحانی بالیدگی کے لئے ضروری ہے کہ اچھے ادب کی طرف کماحقہ توجہ دی جائے کیونکہ بازاری سطحی اور ناجائز ادب بچوں کے اخلاق پر بالکل اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے جس طرح بازار کی چٹ پٹی چیزیں انکی صحت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

اور اس وقت سستا بازاری اور سطحی ادب بڑے وافر مقدار میں پوری فراوانی کے ساتھ ہر جگہ دستیاب ہے جو ہمارے بچوں کو بڑی تیزی سے گھن کی طرح کھا رہا ہے اور انکے ذوق سلیم نیز فطری صلاحیتوں کو بری طرح متاثر کر رہا ہے۔

ایسے وقت میں بچوں کے ادب پر توجہ صرف ضروری نہیں بلکہ فرض ہو چکی ہے قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جنہوں نے قوم کے سب سے بڑے سرمائے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی یقیناً یہ قوم و ملک کا وہ سرمایہ گراں مایہ ہے کہ جسکے سدھار میں قوم و ملک کا سدھار ہے اور جسکا بگاڑ قوم و ملک کے بگاڑ کا پیش خیمہ ہے۔

کسی بھی زبان کا ادب بچوں کے ادب کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اردو زبان کی ترقی و بقا کا انحصار بھی اسی ادب پر ہے مگر افسوس کہ ایک عرصے تک ادب اطفال کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہ دی گئی اللہ کا شکر ہے کہ چند برسوں سے اس رویے میں تبدیلی آئی ہے رسائل و اخبارات، علمی ادارے اور اردو اکاڈمیوں نے ادب اطفال پر توجہ دینا شروع کر دیا ہے۔ اردو میں ادب اطفال کے موضوع پر کچھ ہی کتابوں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے اس میں پروفیسر اکبر رحمانی کی مرتبہ کتاب "اردو میں ادب اطفال ایک جائزہ" اس سرمایہ میں ایک عظیم اضافہ ہی نہیں بلکہ ایک قابل قدر تنقید بھی ہے جسمیں اس فن پر کام کرنے والوں کے لئے بہترین رہنمائیاں موجود ہیں اس میں ادب اطفال کے مختلف مسائل اور پہلوؤں کو بہت ہی اچھے انداز میں اجاگر کیا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ادب کی بنیادی صنف ادب اطفال پر کام کرنے والے اردو داں طبقے کیلئے ایک بہترین تحفہ ہے جسے علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

بقیہ:- پروگرام پانچواں اجلاس عام

مقررین کرام: (۱) مولانا سراج الحسن امیر جماعت اسلامی ہند (۲) مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی (۳) حافظ محمد اعظم بیگ فلاحی

الوداعیہ	مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی	صدر جامعہ
اختتامی کلمات	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ناظم	ناظم جامعہ
کلمات تشکر	صدر انجمن - ناظم اجلاس۔	

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

اخبار علمیہ

قرآن پاک کے چھ کروڑ نسخے

ریاض، مدینہ منورہ میں قرآن کریم کی نشر و اشاعت کے مرکز فہد اکیڈمی نے اعلان کیا ہے کہ اب تک اکیڈمی نے ۱۴۰۵ھ سے (جبکہ اس کی تاسیس ہوئی) ۱۴۱۲ھ تک قرآن کریم اور اس کے تراجم کے چھ کروڑ دس لاکھ نسخے زیور طبع سے آراستہ کرکے مختلف اسلامی ممالک میں تقسیم کئے۔ اس کے ساتھ ان ممالک میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں رہتے ہیں قرآن پاک کے نسخے تقسیم کئے گئے۔ (سہ روزہ دعوت ۱۲ ستمبر ۹۲ء ص۲)

کمپیوٹر بطور مترجم

حیدرآباد ۹ ستمبر (یو این آئی) سرکاری ہندی خط و کتابت کو تلگو زبان میں منتقل کرنے کے لئے "برلا ٹرانس" نام کے ایک نئے سافٹ ویئر (کمپیوٹر پروگرام) کی کامیابی کے ساتھ یہ امید بندھ گئی ہے کہ اب ہندی بولنے والی اور غیر ہندی ریاستوں کے مابین خط و کتابت کے موجودہ مسائل ختم ہونے والے ہیں جہاں تمام سرکاری مقاصد کے لئے ہندی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مقامی بی ایم برلا سائنس مرکز جس نے "برلا ٹرانس" کو تیار کیا ہے اب دیگر ہندوستانی زبانوں کے لئے بھی ایسے ہی مترجم سافٹ ویئر تیار کرے گا۔ (روزنامہ آواز ملک ۱۰ ستمبر ۹۲ء ص۴)

عرب ادارہ کو یونیسکو انعام

پیرس ۲۷ ستمبر (یو این آئی) یونیسکو نے انسانی حقوق کے عرب ادارے کو ۱۹۹۲ء کا اپنا تعلیمی انعام عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے یہ ادارہ تیونس میں ۱۹۸۹ء میں قائم کیا گیا تھا۔

یونیسکو کے بیان میں کہا گیا ہے کہ عرب ادارے کو اساتذہ و کلاء، ججوں اور محافظوں کی تربیت میں نمایاں کارنامہ انجام دینے پر ۱۰ ہزار امریکی ڈالر دیئے جائیں گے۔ ۸ نومبر کو یونیسکو میں یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل فریڈریکو میئر ایک خصوصی تقریب میں انعام پیش کریں گے۔
(روزنامہ آواز ملک ۲۸ ستمبر ۹۲ء ص۶)

۲۳ویں عالمی اسلامی نمائش

پونہ۔ آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر پونہ کی عالمی اسلامی نمائش کا ۲۳واں مظاہرہ اب علاقہ کوکن میں پہلی بار پنویل ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام تقوی بیگ ہائی اسکول پنویل رائے گڑھ میں ۹ اکتوبر تا ۱۸ اکتوبر ہو رہا ہے۔ اب تک بیلگام، اورنگ آباد، پونہ، بمبئی، بنگلور، پٹنہ، مدراس، ورنگل، حیدرآباد، شولاپور، بھٹکل، ترویندرم اور بیجاپور جیسے ہندوستان کے ۲۲ بڑے شہروں میں اس نمائش کو دیکھ کر ہر مکتبۂ فکر و نظر کے ہزاروں علماء اور فضلاء اور لاکھوں عوام و خواص نے اس کی ثقافتی عظمت، علمی اور دینی افادیت اور سیاسی ضرورت کا اعتراف کیا ہے۔

اس نمائش میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جس عالمگیر ورثہ کو پیش کیا گیا ہے اس میں اسلامی فن تعمیر، اسلامی فن تزئین و آرائش، اسلام اور سائنسی تحقیقات، اسلامی قدیم سکے، مساجد عالم، نوادرات قرآن، فن خطاطی، مقامات مقدسہ اور انتہائی کروچ یور و تبرکات رسولؐ کریم کے مستند عکس جمیل ہیں۔ (سہ روزہ دعوت یکم اکتوبر ۹۲ء ص۷)

اسلامی نوادرات کا سب سے بڑا خزانہ

لندن میں اسلامی نوادرات کا اب تک کا سب سے بڑا خزانہ دریافت ہوا ہے۔ بی بی سی کے مطابق یہ ایک ایسے شخص کی ذاتی ملکیت ہے جو ایرانی نسل کا یہودی ہے۔ ڈاکٹر ناصر خلیلی یہودی ہونے کے باوجود اسلامی نوادرات سے جنون کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں اور دنیا میں کسی بھی جگہ کوئی چیز مل رہی ہو اسے خرید لیتے ہیں۔ ان نوادرات میں اسلامی خطاطی، نقش و نگار اور فنون لطیفہ سے متعلق دیگر چیزیں شامل ہیں۔ اس خزانہ کی مالیت کا اندازہ کروڑوں پونڈ لگایا گیا ہے۔ نوادرات کے ایک مسلمان ماہر کا کہنا ہے کہ اگر ڈاکٹر ناصر خلیلی اپنا کلیکشن عام نمائش کے لئے پیش کر دیں تو اسلامی نوادرات کا اب تک کا سب سے بڑا خزانہ تسلیم کیا جائے گا۔ (سہ روزہ دعوت یکم اکتوبر ۱۹۹۲ء ص۸)

عبید اللہ عبد فلاحی

سمینار

بعنوان "ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس"

زیر اہتمام، انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

الحمد للہ سمینار کی تیاری کا کام زور و شور سے ہو رہا ہے اور ہر مکتبۂ فکر اور دینی ادارہ کی طرف سے بہت افزا پیغامات موصول ہو رہے ہیں علماء اور دانشوران سمینار کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرا رہے ہیں اب تک جن علماء کرام اور دانشوروں نے مقالہ کے ساتھ شرکت کی باضابطہ منظوری دی ہے ان کے اسمائے گرامی کی ایک فہرست پہلے آپ کے علم میں آچکی ہے اس کے علاوہ دوسری فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ۔
(۲) حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمن عثمانی مالیر کوٹلہ پنجاب۔
(۳) مولانا حفیظ الرحمن ندوی — ناظم تعلیمات جامعہ دار السلام عمرآباد
(۴) حضرت مولانا مختار احمد ندوی — امیر جمعیۃ اہلحدیث ہند
(۵) " حبیب ریحان ندوی ازہری — تاج المساجد بھوپال
(۶) ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی — بنارس ہندو یونیورسٹی
(۷) پروفیسر سید کاظم نقوی — شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
(۸) مولانا عتیق احمد قاسمی — ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۹) محترم مقبول احمد سراج — انچارج فیچر اینڈ نیوز الاعمش دہلی
(۱۰) مولانا رفیق احمد سلفی — ایڈیٹر التوعیہ دہلی
(۱۱) " محمد عزیز صاحب المظاہری — جامعۃ الصالحات رام پور
(۱۲) محترم محمد اشفاق احمد — سکریٹری تعلیمات مرکز جماعت اسلامی ہند
(۱۳) حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری — مبارکپور اعظم گڑھ

بقیہ صـ۶ پر

پروگرام پانچواں اجلاس عام

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

۲۷، ۲۸، ۲۹ و ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ

طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ ۲۷ ر اکتوبر ½ ۸ بجے شب تا ۱۱ بجے شب

زیر صدارت:۔ مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی سرپرست جمعیۃ الطلبہ

تلاوت، ترانہ، نظمیں، تقاریر (اردو، عربی، انگریزی، ہندی) تمثیلیہ وغیرہ

۲۸ ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز بدھ

افتتاحی سیشن

(۸ تا ۱۰ بجے دن)

موضوعات	مقررین	وقت
افتتاح	پروفیسر محمد نسیم فاروقی صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	
زیر صدارت	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ناظم جامعۃ الفلاح	
کنوینر	ظہیر عالم فلاحی	
تلاوت کلام پاک مع ترجمہ	قاری جاوید سلطان فلاحی	۸-۰۰ — ۸-۱۰
ترانہ جامعہ	ترانہ ٹیم	۸-۱۰ — ۸-۲۰
تعارفی کلمات	مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی صدر جامعہ	۸-۲۰ — ۸-۳۰
افتتاحی کلمات	پروفیسر محمد نسیم فاروقی صاحب	۸-۳۰ — ۸-۴۵
خطبہ استقبالیہ مع ضروری ہدایات	رحمت اللہ اثری فلاحی ناظم اجلاس	۸-۴۵ — ۹-۰۰
خطبہ صدارت	نسیم غازی فلاحی صدر انجمن	۹-۰۰ — ۹-۲۵
رپورٹ انجمن	نور محمد فلاحی سکریٹری انجمن	۹-۲۵ — ۹-۵۰

صدارتی کلمات — ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ناظم جامعہ ۹ ـ ۵۰ ـ ۱۰ ـ ۰۰

وقفہ — ۱۰ ـ ۰۰ ـ ۱۰ ـ ۱۵

دوسرا سیشن — زیر صدارت: مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی

کنوینر — رضوان احمد فلاحی

فارغین جامعہ کا تعارف — (رجسٹریشن فارم کے ذریعہ) ۱۰ ـ ۱۵ ـ ۱۱ ـ ۱۵

مقالہ بعنوان فارغین جامعہ ایک نظر میں — حافظ محمد اسماعیل فلاحی ۱۱ ـ ۱۵ ـ ۱۱ ـ ۴۵

صدارتی کلمات — مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی ۱۱ ـ ۴۵ ـ ۱۲ ـ ۰۰

وقفہ برائے نماز ظہر و طعام ۱۲ ـ ۰۰ ـ ۲ ـ ۴۵

تیسرا سیشن ۲ ـ ۱۵ ـ ۴ ـ ۰۰

تنظیمی نشست ۲ ـ ۱۵ ـ ۴ ـ ۰۰

زیر صدارت — نسیم احمد غازی فلاحی

کنوینر — نور محمد فلاحی

(تجاویز و مشورے ـ دستور میں ترمیم)

طلبہ قدیم و جدید کا اجتماعی تفریحی پروگرام — بعد نماز عصر

وقفہ برائے نماز و طعام

چوتھا سیشن — ادبی نشست (شب) ۹ ـ ۰۰ ـ ۱۱ ـ ۰۰

کنوینر — عبدالسلام فلاحی بستوی

۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات

درس قرآن — مولانا عنایت اللہ صاحب سبحانی — بعد نماز فجر ۳۰ منٹ

کنوینر — شفیق عالم فلاحی

وقفہ برائے ناشتہ

پہلا سیشن — سمینار بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس"

کنوینر — ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی

وقفہ برائے طعام و نماز ظہر

دوسرا سیشن — سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" ۲ ـ ۳۰ ـ ۴ ـ ۴۵

وقفہ برائے نماز عصر

ٹی پارٹی — منجانب جمعیۃ الطلبہ — بعد نماز عصر

وقفہ برائے طعام و نماز مغرب و عشاء

تیسرا سیشن — سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" (شب) ۸ ـ ۳۰ ـ ۱۱ ـ ۰۰

۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ

درس حدیث — مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی — بعد نماز فجر ۳۰ منٹ

کنوینر — عبدالبر اثری فلاحی

وقفہ برائے ناشتہ

پہلا سیشن — سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" (صبح) ۸ ـ ۰۰ ـ ۱۱ ـ ۰۰

وقفہ برائے نماز جمعہ و طعام ۱۱ ـ ۰۰ ـ ۲ ـ ۰۰

دوسرا سیشن — تنظیمی نشست (شام) ۲ ـ ۰۰ ـ ۴ ـ ۰۰

زیر صدارت — نسیم احمد غازی فلاحی — صدر انجمن

کنوینر — نور محمد فلاحی — سکریٹری انجمن

(انتخاب صدر انجمن، ارکان شوریٰ، جائزہ سوال و جواب، سابق و منتخب صدر کی تقاریر)

وقفہ عصر تا نماز عشاء

تیسرا سیشن — خطاب عام (شب) ۸ ـ ۳۰ ـ ۱۱ ـ ۰۰

زیر صدارت — مولانا محمد سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ہند

کنوینر — مقبول احمد فلاحی

تلاوت کلام پاک مع ترجمہ — ترانہ جامعہ —

بقیہ صـ ۳۱ پر

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

اجلاس عام کی تیاریاں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے پانچویں اجلاس عام کے دن جوں جوں قریب آتے جا رہے ہیں، اسکی تیاریوں میں تیزی جاری ہے، چنانچہ اسی ضمن میں ہمارے اراکین انجمن نے بمبئی، گورکھپور، بستی، گونڈہ، بنارس اور اعظم گڑھ کا دورہ کیا۔ فلاحی برادران اور ہمدردان جامعہ کے اندر ہر جگہ جوش و خروش محسوس کیا گیا جامعہ اور قرب و جوار کے فلاحیوں اور مدعوین خصوصی کی متعدد نشستیں ہوئی ہیں، جن میں اجلاس کے متعلق ذمہ داریوں کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اساتذہ جامعہ کی بھی ایک نشست صدر جامعہ نے طلبک اور انجمن کی تحسین اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل یہ جامعہ کا اجلاس ہے اور اسی پہلو سے اساتذہ جامعہ کو اسمیں حصہ لینا ہے۔

اجلاس عام کے پروگرام میں ذرا سی تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ جمعیۃ الطلبہ کا تعلیمی مظاہرہ ۲۰/۱۰/۹۲ بروز منگل ۸ بجے شب ہوگا ادبی نشست ۲۸/۱۰/۹۲ بروز بدھ ۸ بجے شب ہوگی اور خطاب علم ۳۰/۱۰/۹۲ بروز جمعہ ۸ بجے شب ہوگا۔ ۲۸/۱۰/۹۲ بروز بدھ پہلا سیشن ۹ بجے صبح میں شروع ہونے کے بجائے ایک گھنٹہ قبل ۸ بجے صبح سے شروع ہو جائے گا۔

ایک حادثہ عزیزی رضوان عالم سلمہ متعلم عربی چہارم ششماہی چھٹیوں میں لکھنؤ سے اپنے گھر سوداں، بوتی، ضلع اناؤ، جاتے ہوئے ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ایک جیپ حادثہ میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دو ماموں زاد بھائی اور دو ماموں بھی زخمی ہوئے حادثہ کے تیسرے دن ایک ماموں کا انتقال ہو گیا۔

رضوان سلمہ ایک صالح اور باوقار نوجوان تھے۔ بڑی امیدیں اور توقعات انکی ذات سے

وابستہ تھیں، اس دنیا میں نوجوانوں کی کمی نہیں، آوارہ، بے مقصد، بے شعور، نہ راہ کا پتہ، نہ منزل معلوم، ایسے نوجوانوں کی ایک بھیڑ ہر موڑ پر مل جائے گی لیکن وہ نوجوان جن سے حور یں شرمائیں، ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا جو حوصلہ رکھتے ہوں، جن کے آہنی عزم کے آگے صحرا و دریا بھی بے وزن ہوں اور جن کا نصب العین بلند، نشانات راہ واضح اور منزل متعین ہو، مشکل ہی سے ملتے ہیں، خوش بخت و خوش نصیب رضوان انہی نوجوانوں میں سے ایک تھے۔ نماز کی پابندی، درجہ میں مستعدی سے حاضری، شور و شغب اور ہنگاموں سے بیزاری، زیادتیوں کا مسکراہٹوں سے جواب، ادب و تمیز اور سلیقہ مندی، ساتھیوں کی خیرخواہی اور انکی اصلاح کی فکر تحریکی سرگرمیوں میں آگے، یہ تھیں رضوان کی ادائیں اور یہ تھا ان کا انداز، ہاتھ پیر کے دبلے پتلے اور کمزور لیکن عزم کے پکے اور ارادے کے مضبوط، اساتذہ انکی صالحیت و صلاحیت کے گواہ، جماعت ابتدائی سے عربی چہارم تک پڑھایا اور شکایت کا موقع کبھی ہاتھ نہ آیا۔ اس وقت وہ عربی چہارم کے ایک طالب علم تھے اور طلبہ کے ایک وال میگزین کی ادارت ان کے ذمہ تھی۔

آج ان کے انتقال پر ہم سب رنجیدہ اور ملول ہیں آنکھیں نم اور دل غمگین ہیں حق تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔

بقیہ :- توجہ مطلوب ہے

ان ساری غلط چیزوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے رہتے ہیں، نہ اس پر متنبہ کرتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کوئی آواز اٹھاتے ہیں، پتہ نہیں کیا خوف مانع ہوتا ہے؟ کیا خوف خدا سے بڑھکر بھی کوئی چیز ہے؟ کیا ان غیر اسلامی امور کے خلاف آواز اٹھانا انکی شرعی ذمہ داری نہیں؟ پھر وہ کیوں خاموش رہتے ہیں؟ اور خاموش ہی نہیں رہتے بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی تشویشناک بات ہی نہیں ہے

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ اسوہ جو مندرجہ بالا واقعہ میں نظر آتا ہے ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم بھی کسی غلطی کو برداشت نہ کریں بلکہ جو صحیح بات ہو اسے اپنائیں اور غلط بات واضح ہو تو اس کی تردید کریں کوئی کرے یا نہ کرے ہم ضرور کریں تاکہ ہم کم از کم دربار الٰہی میں جوابدہی سے بچ سکیں۔ اللہ توفیق بخشے۔ آمین

ہدایات

برائے شرکائے اجلاس عام انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

۲۷ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء

۱۔ ایک مقام سے اگر ایک سے زیادہ افراد شریک ہو رہے ہوں تو حتی الامکان اجتماعی سفر کریں اور باہمی مشورہ سے امیر سفر بنالیں۔

۲۔ سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت اور گھر واپس پہونچنے پر دو رکعت نفل ادا کریں۔

۳۔ گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھیں۔
بسم اللّٰہ، توکلت علی اللّٰہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ

۴۔ سواری پر سوار ہوتے وقت بسم اللّٰہ کہیں، جب سوار ہو جائیں تو الحمد للّٰہ کہیں اور یہ دعا پڑھیں۔
سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون
اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی
اللھم ھون علینا سفرنا ھذا واطو عنا بعدہ، اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل، اللھم انا نعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر وسوء المنقلب فی المال والاھل والولد والحور بعد الکور ودعوۃ المظلوم۔

۵۔ جب سفر سے واپس ہوں تو یہی دعا پڑھیں اور یہ اضافہ کریں
آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔

۶۔ دوران سفر ایثار، قربانی اور اخلاق وہمدردی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے دوسروں کے آرام وسہولت کا خیال رکھیں۔ آپ کے عمل سے خود غرضی اور شح نفس نہ ظاہر ہو۔

بقیہ ص ۱۱